بہت سے دیوار اٹھانے والے اپنی دیوار کو گرا رہے ہیں۔

بہت سے لوگ جو اپنے کو دوسروں سے بڑا سمجھ رہے ہیں، وہ دوسروں کے پیروں تلے روندے جائیں گے۔

یہ اس دن ہوگا جب خدا اپنے فرشتوں کے ساتھ ظاہر ہوگا، جب سارے انسانوں سے پوچھا جائے گا کہ انھوں نے اپنے پیچھے کیا چھوڑا اور اپنے آگے کے لئے کیا روانہ کیا۔

مئی ۱۹۷۷	زر تعاون سالانہ ۲۴ روپے ۔ فی پرچہ دو روپیہ	شمارہ ۷

خصوصی تعاون سالانہ: کم سے کم ایک سو ایک روپیہ

فہرست

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خوراک جنگلی شہد اور ٹڈیاں تھیں ۔ وہ اونٹ کے بالوں کا کپڑا پہنتے تھے، اور راستوں میں بلند آواز سے پکارتے ہوئے چلتے تھے ۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس اپنا کوئی مکان نہ تھا ۔ وہ دن کے وقت لوگوں میں چل پھر کران کو خدا کا پیغام پہنچاتے اور جب رات ہو جاتی تو پہاڑوں میں جاکر سو رہتے ۔

یہ حق کی تبلیغ کا زبانی طریقہ ہے ۔ دوسرا طریقہ قلم کا ہے جس کو پریس کی ایجاد نے موجودہ زمانہ میں بہت زیادہ ترقی دے دی ہے ۔ پریس نے اس بات کو ممکن بنا دیا ہے کہ حق کی پیغام رسانی کے کام کو زیادہ منظم اور زیادہ وسیع شکل میں انجام دیا جاسکے ۔

ماہنامہ الرسالہ کا اجراء اس بات کا ایک آزمائشی تجربہ تھا کہ کیا اس جدید طریقہ کو حق کی آواز پہنچانے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے ۔ ہمارا اب تک کا تجربہ اس سلسلے میں زیادہ حوصلہ افزا نہیں ۔ یہ کام زبانی طریقہ کے برعکس ، بہت زیادہ مالیاتی قربانی مانگتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کے تعاون کے بغیر اس کو چلانا کسی طرح ممکن نہیں ۔ مگر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان کو یا تو افیونی مذہب سے دل چسپی رہ گئی ہے یا جذباتی سیاست سے ۔ کسی حقیقی دینی کام کی راہ میں تعاون کرنا وہ نہیں جانتے ۔

اس میں شک نہیں کہ لفظی تعریفوں کے سلسلے میں لوگوں نے ہمارے ساتھ بخل سے کام نہیں لیا ۔ ایسے لوگوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے جو چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح مفت حاصل کر کے اس کو پڑھ لیا کریں ۔ مگر جہاں تک عملی تعاون کا معاملہ ہے ، بدستور "زرمی طلبی سخن درین است" کا سلسلہ جاری ہے ۔ یہ ایسی صورت حال ہے جس میں کسی سنجیدہ پرچہ کو دیر تک باقی نہیں رکھا جاسکتا ۔

الرسالہ اب تک زیادہ تر ذاتی قربانی کے بل پر نکلتا رہا ہے ۔ ہم نہیں جانتے کہ الرسالہ کے خادموں کا یہ مجنونانہ اقدام محض کلمۃً باقیۃ (زخرف - ۲۸) اور معذرۃً الی ربکم (اعراف - ۱۶۴) بن کر رہ جائے گا ، یا اس سے آگے کسی منزل تک پہنچے گا ۔ خدا کے ہاتھ میں دونوں ہیں اور ہم اپنے رب سے بہر حال یہی توقع رکھتے ہیں کہ اس کے علم محیط میں ہمارے لئے جو بہتر ہوگا ، وہ اس کا فیصلہ فرمائے گا ۔

زید بن ثابت انصاری رضؓ

چھ زبانیں جانتے تھے

رمضان ۲ھ میں بدر کا معرکہ پیش آیا، جس میں مسلمانوں کی تعداد، مشہور روایت کے مطابق ۳۱۳ تھی، اور دشمنوں کی تعداد ساڑھے نوسو۔ یعنی تگنی۔ مسلمان کامیاب رہے اور بہت سے قیدی ہاتھ آئے۔ ان کے لئے رہائی کا یہ فدیہ مقرر کیا گیا کہ جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتا ہو وہ دس دس مسلمان بچوں کو اس فن کی تعلیم دے۔ بعض محدثین نے اس واقعہ کا عنوان باندھا ہے۔ "مشرک کو استاد بنانے کا جواز"

مدینہ آنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا کام جو کیا وہ مسجد کی تعمیر تھی۔ اس عمارت کے ایک حصہ میں سایہ دار چبوترہ (صفہ) بنایا گیا۔ یہ گویا اسلام کی اولین اقامتی درس گاہ تھی۔ بعض مصنفین نے اہل صفہ کے چار سو طلبہ کا ذکر کیا ہے۔ ان لوگوں کی تعلیم کے لئے اساتذہ مقرر تھے۔ عبداللہ بن سعید بن العاص انھیں لکھنا سکھاتے تھے۔ عبادہ بن الصامت سے مروی ہے کہ "رسول اللہ نے مجھے مامور کیا تھا کہ میں صفہ میں لوگوں کو لکھنا سکھاؤں اور قرآن پڑھاؤں"۔ مدینہ میں ۲ھ میں ایک اور اقامتی درس گاہ دارالقرار کا بھی پتہ چلتا ہے جو مخرمہ بن نوفل کے مکان میں قائم ہوئی تھی۔ عمرو بن حزم کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا گیا تو انھیں فرائض منصبی کے متعلق ایک تحریری ہدایت نامہ دیا گیا جس میں دیگر امور کے علاوہ تعلیم کے انتظام کا حکم بھی درج تھا۔ طبری نے ۱۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو ناظم تعلیمات بنا کر یمن بھیجا، جہاں وہ ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں دورہ کرتے اور مدارس کی نگرانی کرتے تھے۔

جیسا کہ مشہور ہے، ہجرت کے سفر میں آپ نے سراقہ بن مالک کو پروانہ امن لکھ کر دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس ہنگامی سفر میں بھی قلم، دوات اور کاغذ آپ کے ساتھ موجود تھا۔ مورخوں نے آنحضرتؐ کے کاتبوں کی فہرست کے لئے مستقل باب قائم کئے ہیں۔ بعض کاتب (سکریٹری) نئی نازل ہونے والی وحی کو لکھتے، بعض سرکاری مراسلوں کا مسودہ مرتب کر کے آپ کی خدمت میں پیش کرتے، بعض زکوٰۃ اور محاصل کے حسابات لکھتے۔ بعض مال غنیمت کے اندراج اور تقسیم کا کام انجام دیتے، بعض بیرونی حکمرانوں اور قبائل کے سرداروں کے نام خط لکھتے۔ بعض فصل کے کٹنے سے پہلے تخمینہ (خرص) نوٹ کرتے۔

زیدؓ بن ثابت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عبرانی خط بھی سیکھا تھا۔ کیونکہ عرب کے یہودی بولتے تو عربی زبان تھے مگر لکھتے عبرانی خط میں تھے اور آپ سے مراسلات میں اسی خط کو استعمال کرتے تھے۔ مسعودی کے مطابق زیدؓ بن ثابت عربی کے علاوہ فارسی، یونانی، قبطی، حبشی اور عبرانی زبانیں بھی جانتے تھے اور بیرونی وفود سے گفتگو میں آنحضرتؐ کے مترجم کا کام انجام دیتے تھے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص کے متعلق آتا ہے کہ انھوں نے عربی کے علاوہ سریانی زبان سیکھی تھی۔ وہ ۶۵ھ میں ۷۲ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

علیکم بالفقہ فی الدین وحسن العبادۃ وتفھم فی العربیۃ۔ دین میں بصیرت حاصل کرو، بہتر عبادت کرو، عربیت میں سمجھ پیدا کرو۔ ارشاد عمر فاروق

جب زندگی کا رخ آخرت کی طرف ہو جائے

اہل ایمان کی تعریف قرآن میں یہ کی گئی ہے کہ جب ان کے سامنے خدا کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل اٹھتے ہیں (انفال - ۲) اور جب ان کے سامنے خدا کا کوئی حکم بیان کیا جاتا ہے تو فوراً اس کے آگے سر جھکا دیتے ہیں خواہ وہ ان کی مرضی کے خلاف کیوں نہ ہو۔ (نسار - ۶۵)

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر اس نے کہا کہ میرے پاس کچھ غلام ہیں۔ وہ میرے ساتھ خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے میں ان کو برا بھلا کہتا ہوں اور مارتا ہوں۔ پھر ان کے معاملہ میں میرا حال کیا ہوگا۔ آپ نے جواب دیا: جب قیامت کا دن آئے گا تو ان کی خیانت اور ان کی نافرمانی کا شمار کیا جائے گا۔ پس اگر تمھاری سزا ان کے جرم کے مطابق ہوگی تو معاملہ برابر برابر ہو جائے گا اور اگر تمھاری سزا ان کے جرم سے زیادہ ہوگی تو ان کو اجازت دی جائے گی کہ اس کے بقدر تم سے بدلہ لیں۔ یہ سن کر وہ شخص چیخ پڑا اور رونے لگا۔ اور اس کے بعد کہا:

یا رسول اللہ، ما اجد لی ولھولاء خیرا من مفارقتھم، اشھدک انھم کلھم احرار (احمد، ترمذی)

اے خدا کے رسول، میرے اور ان کے درمیان جدائی سے بہتر کوئی صورت نہیں۔ میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ وہ سب آج سے آزاد ہیں۔

حقیقت پسندی

بعثت کے تیسرے سال جب عمر بن الخطابؓ اسلام لائے تو مسلمانوں کی تعداد تقریباً چالیس تھی۔ مگر مخالفین کے ڈر سے مسلمان چھپ کر عبادت کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ چونکہ نہایت پرجوش اور بہادر آدمی تھے، انھوں نے کہا: جب ہمارے پاس حق ہے تو ہم چھپے کیوں رہیں۔ ہم خانہ کعبہ میں جا کر کھلے عام عبادت کریں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو منع فرمایا اور کہا:

یا عمر انا قلیل (اے عمرؓ! ہم تھوڑے ہیں)

غزوۂ خندق میں جب کہ دونوں فوجیں خندق کے دونوں طرف کھڑی تھیں مشرکین کی فوج سے ان کا مشہور شہسوار عمرو بن ود گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا اور آواز دی: من یبارز نی (کون میرا مقابلہ کرے گا) علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا: انا یا رسول اللہ (میں یا رسول اللہ) آپ نے فرمایا:

اجلس فانہ عمرو بن ود (تم بیٹھو، کیونکہ یہ عمرو بن ود ہے)

یہ تھا پیغمبر خدا کا طریقہ۔ مگر آج آپ کے ماننے والے اس کو کمال سمجھتے ہیں کہ حالات کا اندازہ کئے بغیر میدان مقابلہ میں کود پڑیں، خواہ اس کے بعد بربادی کے سوا اور کوئی چیز ان کے حصہ میں نہ آئے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی چھوٹی چھوٹی چیزوں میں "شریعت" کا بہت اہتمام کرتا ہے۔ مگر بڑے بڑے امور میں اس کو خدا کی شریعت کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ وہ ایسے معاملات میں "بال کی کھال" نکالنے کی حد تک مذہبی بنتا ہے جن میں اس کے ذاتی مفادات مجروح نہیں ہوتے۔ جو اس کے دنیوی عزائم میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتے، جن میں اسے یہ قیمت نہیں دینی پڑتی کہ دین کی خاطر اپنے ایک مبغوض شخص سے محبت کرے اور اپنے ایک محبوب شخص سے قلبی تعلق ختم کر دے۔ خلاصہ یہ کہ جو دین اس کی اپنی زندگی میں خلل نہ ڈالے، وہ اس کی پیروی میں بہت آگے ہوتا ہے۔ مگر وہ دین جو اس کی اپنی زندگی سے ٹکرائے، جو اس سے "یہ کرو اور وہ نہ کرو" کا مطالبہ کرے، اس سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

تغلق خاندان کے آخر زمانہ میں جب ان کی سلطنت کا زوال شروع ہوا تو فیروز تغلق کے جاگیردار دلاور خاں نے مالوہ میں ۱۴۰۱ء میں خود مختار سلطنت قائم کر لی۔ اس کا دارالسلطنت ابتداءً دھار اور اس کے بعد مانڈو تھا۔ دلاور کے بعد ہوشنگ اور اس کے بعد اس کا لڑکا غزنی خاں تخت پر بیٹھا۔ اس زمانہ میں محمود خلجی اس کا وزیر تھا۔ وزیر نے موقع پاکر غزنی خاں کو مروا ڈالا اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔

سلطان محمود خلجی ایک بہادر سپاہی تھا اور ذاتی زندگی میں نہایت شریف اور منصف مزاج تھا۔ اس نے ساری عمر کیمپ میں گزاری۔ محمود نے ۱۴۶۹ء میں وفات پائی۔

سلطان محمد تغلق کے عہد میں ۱۳۴۷ء میں دکن

دین داری یہ ہے کہ دین پوری زندگی پر چھا جائے نہ کہ وہ زندگی کا محض ایک وقتی ضمیمہ ہو

میں بغاوت ہوئی اور حسن گنگو نے ایک خود مختار ریاست کی بنیاد رکھی جس کا دعویٰ تھا کہ وہ ایران کے قدیم بادشاہ بہمن کی اولاد ہے۔ اس نے گلبرگہ کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا۔ اس خاندان کے احمد شاہ بہمنی نے شہر بیدر بسایا جو گلبرگہ کے بجائے بہمنی سلطنت کا پایۂ تخت ہو گیا۔ اسی خاندان کا ایک حکمراں نظام شاہ بہمنی تھا۔ وہ ۱۴۶۲ء میں تخت پر بیٹھا۔ مگر تخت نشینی کے دو سال بعد نظام شاہ کا اچانک انتقال ہو گیا۔

مالوہ کا حاکم محمود خلجی حلال غذا کا بہت زیادہ اہتمام کرتا تھا۔ ۱۴۶۱ء میں اس نے بیدر پر حملہ کیا جو نظام شاہ بہمنی کا دارالسلطنت تھا۔ دوران محاصرہ اس کے سامنے ایک مسئلہ یہ آیا کہ اپنے لئے حلال غذا کہاں سے حاصل کرے۔ حلال سبزیوں کا ذخیرہ جو اس کے پاس تھا وہ محاصرہ کے طول پکڑ جانے کی وجہ سے ختم ہو گیا۔

اس مسئلہ کا اسے پہلے سے اندازہ تھا۔ چنانچہ اپنے معمول کے مطابق وہ اپنے ملک سے مٹی اور تختے لے کر گیا تھا۔ اس نے لکڑی کے تختوں پر مٹی ڈال کر سبزی اگائی۔ مگر وہ اس کی ضرورتوں کے لئے ناکافی ثابت ہوئی۔ بالآخر اس نے اس علاقہ کے ایک بزرگ مولانا شمس الدین کرمانی کو بلایا

انھوں سے کہا کہ مجھے کسی ایسے شخص کا پتہ بتایئے جس کے پاس حلال روپے سے خریدی ہوئی زمین ہو اور وہ میرے ہاتھ اس کو فروخت کردے۔ میں اس کو لے کر اس میں اپنے لئے سبزیاں اگاؤں گا۔ مولانا شمس الدین کرمانی نے جواب دیا: "تم نے ایک مسلمان ملک پر حملہ کیا ہے۔ یہاں آکر تم لوگوں کا خون بہا رہے ہو اور آباد گھروں کو اجاڑ رہے ہو۔ حرام سالن سے بچنے کی تمھیں اتنی فکر ہے اور مسلمانوں کی خوں ریزی سے بچنے کی کوئی فکر نہیں" یہ سن کر سلطان رو پڑا۔ ●

جب خدا کی زمین تعصبات سے خالی تھی

ستر سال پہلے کی دنیا آج کی دنیا سے کتنی مختلف تھی، اس کا اندازہ کرنے کے لئے یہاں ہم مولانا شبلی نعمانی کی ایک تحریر نقل کرتے ہیں جو انھوں نے ۱۹۰۹ میں لکھی تھی:

"یہ واقعہ حیرت سے سنا جائے گا کہ کولھاپور کی ریاست نے، جو ایک ہندو ریاست ہے، ایک مسلمان طالب علم کو اپنے صرف سے ندوۃ العلماء کے دار العلوم میں اس غرض سے بھیجا ہے کہ وہ یہاں ایک مذہبی تعلیم پائے۔ ریاست مذکور کے افسر تعلیم کنج لال صاحب دیوالی ایم۔اے کا جو خط اس کے متعلق ہمارے پاس آیا ہے اس کا اقتباس حسب ذیل ہے:

"کچھ دن ہوئے مفاخرت نامہ والاشرف صدور لایا تھا۔ موقع پاکر وہ حضور مہاراجہ صاحب دام ملکہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضور ممدوح اس کا مضمون سن کر بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ طالب علم کو وہاں روانہ کیا جائے۔ امید کہ یہ نوجوان جناب کے دار العلوم سے اتنا ذخیرہ علوم کا لے کر واپس آئے گا کہ کل گرد و نواح کے مسلمان اس پر فخر کریں گے۔"

موجودہ دنیا میں یہ کس قدر عجیب آواز ہے۔ لیکن درحقیقت یہ اس عجیب و غریب بے تعصبی کی بقیہ یادگاریں ہیں جو تیموریوں نے ہندستان میں غیر مذہب والوں کے ساتھ برتی تھیں۔ تیموریوں نے کیا کیا۔ اس سوال کا جواب پچھلی تاریخوں نے بار بار دیا۔ لیکن مخالفین کو تسلی نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کو زندہ مثالوں کی طرف نظر اٹھانی چاہیے۔ ان کو حیدرآباد جانا چاہیے جہاں سالانہ تین لاکھ روپے صرف شیوالوں، مندروں اور بت خانوں کی تعمیر و مرمت میں صرف کیا جاتا ہے۔ میں نے خود اپنے زمانہ قیام (حیدرآباد) میں دیکھا کہ ایک گاؤں کے ہندو نے درخواست کی کہ ہمارے آس پاس کوئی شیوالہ نہیں ہے جس میں ہم لوگ اپنی مذہبی عبادت بجا لائیں، اس درخواست پر ریاست سے چھ ہزار روپیہ عطا ہوا۔

گیا میں جو بدھ مت کا سب سے بڑا مندر ہے، اس کے آس پاس آج سلاطین تیموریہ کے تیرہ فرامین موجود ہیں (میں نے خود جا کر دیکھا ہے) جس میں جاتریوں اور پجاریوں کے مصارف کے لئے زمین اور جاگیریں عطا کی گئی ہیں۔ ریاست پٹیالہ ایک سکھ ریاست ہے۔ میں نے خود وہاں جا کر معلوم کیا ہے کہ کوئی مسجد تعمیر کی جاتی ہے تو ریاست کی طرف سے ایک معین رقم اس کام کے لئے ملتی ہے۔ اور یہ قاعدہ مدت سے چلا آ رہا ہے۔" الندوہ، ماہ جولائی ۱۹۰۹ء

بحر مردار اپنی قسم کا واحد سمندر ہے

یہ ایک عبرت ناک داستان ہے
اور ایک قدرتی عجوبہ بھی

بہت سے واقعات جن کو علمی دنیا میں محض جغرافی یا طبیعیاتی مطالعہ کا موضوع سمجھا جاتا ہے، اللہ کی نظر میں وہ خدائی آیات (ذاریات - ۲۷) ہیں۔ ان کے اندر لوگوں کے لئے عبرت ہے۔ جو لوگ آج عزت یا خوش حالی کا کوئی حصہ پاکر گھمنڈ میں پڑ گئے ہیں، انھیں ان لوگوں کے انجام سے نصیحت لینی چاہئے جن کو انھیں کی طرح عزت اور خوش حالی ملی تھی، مگر وہ گھمنڈ میں پڑ گئے، انھوں نے اپنے آپ کو مالک کائنات کی تابعداری سے آزاد سمجھ لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تباہ کر دیئے گئے۔

انھیں نشانیوں میں سے ایک نشانی وہ ہے جس کو بحر مردار (DEAD SEA) کہتے ہیں۔ یہ بحیرہ شرق اردن اور فلسطین کے درمیان شمال سے جنوب تک اس طرح پھیلا ہوا ہے کہ اس کی چوڑائی کے مقابلہ میں اس کی لمبائی تقریباً پانچ گنا زیادہ ہے۔ تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ جنوب کی طرف اس بحیرہ کا ایک تہائی حصہ چار ہزار برس قبل تک اصل بحیرہ میں شامل نہ تھا۔ یہ بعد کو اس کا جزو بنا ہے۔ یہ حصہ قدیم دنیا کا ایک انتہائی سرسبز و شاداب علاقہ تھا جس کو بائبل میں "سدیم کی وادی" کہا گیا ہے۔ بائبل کا بیان ہے کہ "وہ، اس سے بیشتر کہ خداوند نے سدوم اور عمورہ کو تباہ کیا، خداوند کے باغ (عدن) اور مصر کے مانند خوب سیراب تھی (پیدائش ۱۳ : ۱۰) اسی وادی سدیم میں اس وقت کی متمدن دنیا کے بڑے بڑے شہر سدوم، عمورہ، اُدمہ، ضبوئیم اور ضغر واقع تھے۔ یہاں اس وقت کی ایک طاقت ور اور ترقی یافتہ قوم، قوم لوط آباد تھی۔ ان لوگوں نے ظلم و فساد پھیلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے قانون نے ان کو پکڑ لیا۔ اس پورے علاقہ کو ہولناک زلزلہ نے تباہ کر دیا۔ ان کے اوپر بحر مردار کا پانی پھیل گیا اور اب وہ اپنے تمام آثار سمیت گندے پانی کے نیچے دفن پڑا ہوا ہے۔

جدید علم الآثار سے ثابت ہوا ہے کہ اس علاقہ میں حضرت ابراہیم کے زمانہ میں زبردست طوفان آیا تھا۔ پانی کے نیچے اب بھی ڈوبے ہوئے شہروں کے نشانات پائے جاتے ہیں۔

قرون وسطیٰ کے سیاحوں نے لکھا تھا کہ بحر مردار کے اوپر کوئی چڑیا نہیں اڑتی، کیونکہ اس کی ہوا زہریلی ہو چکی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ گیسوں کے مسلسل اخراج کی وجہ سے یہاں کی فضا بدبودار رہتی ہے۔ مگر جیسا کہ جدید محققین نے بتایا ہے چڑیوں کے اس علاقہ میں نہ جانے کی وجہ یہ ہے کہ بحر مردار کے اندر مچھلی نہیں، نباتات کی بھی کوئی قسم وہاں برائے نام ہی پائی جاتی ہے۔

بحر مردار دنیا کا سب سے زیادہ کھاری ذخیرہ آب ہے۔ عام سمندر جتنے کھاری ہوتے ہیں اس کے مقابلہ میں بحر مردار چھ گنا زیادہ کھاری ہے۔ یہ تقریباً ۵۰ میل لمبا اور ۳ سے ۱۰ میل تک چوڑا ہے۔ مجموعی طور پر اس کا رقبہ ۵۰۴ مربع میل ہے۔ دریائے اردن اور دوسرے چشمے ہر روز بحر مردار کے اندر ۶۵ لاکھ ٹن میٹھا پانی گراتے ہیں۔ مگر بحر مردار کی شدید گرمی کی وجہ سے یہ سارا پانی بخارات بن کر اڑ جاتا ہے، اور سمندر کا کھاری پن کم نہیں ہوتا۔ اس کا پانی اتنا گاڑھا ہے کہ آدمی بآسانی اس کے اوپر سے پھسل سکتا ہے، وہ ڈوب نہیں سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بحر مردار میں ٹھوس مادہ مثلاً نمک، جپسم، پوٹاش، میگنیشیم وغیرہ ۲۵ فی صد شامل ہیں۔ جبکہ عام سمندروں میں ان کی مقدار صرف تین فی صد ہوتی ہے۔

بحر مردار کا نصف حصہ شرق اردن میں ہے اور نصف اسرائیل میں۔ شرق اردن نے منصوبہ بنایا ہے کہ وہ اپنے علاقہ میں تیل کی کمی کو بحر مردار کی معدنیات کے ذریعے پورا کرے۔ ایک عرب کمپنی کے اشتراک سے پندرہ سال مطالعہ کرنے کے بعد، بحر مردار کے جنوبی حصہ میں دو بند بنائے گئے ہیں۔ اس منصوبہ کا خاص مقصد بحر مردار سے پوٹاش الگ کر کے نکالنا ہو گا۔ کہا جاتا ہے کہ بحر مردار میں پوٹاش کے ذخائر، کناڈا اور امریکہ کے بعد، سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پہلا پنج سالہ منصوبہ ۱۰ ملین ڈالر کے خرچ سے ۸۰-۱۹۷۶ کے لئے بنایا گیا ہے۔ پہلے یہ منصوبہ زیادہ بڑے پیمانہ پر بنایا گیا تھا۔ مگر ۱۹۶۷ کی جنگ میں جب اردن کے کچھ علاقے اسرائیل کے قبضہ میں چلے گئے تو منصوبہ کی وسعت میں کمی کرنی پڑی۔

منصوبہ کے ذمہ داروں نے بتایا ہے کہ بحر مردار کے پانی کا ۳۷۳ ملین کیوبک میٹر بخارات میں تبدیل کرنے سے ایک ملین ٹن پوٹاش حاصل ہو گا جس کی قیمت ایک سو ملین ڈالر ہے۔ اسی طرح میگنیشیم اور برومائٹ بھی برآمد کرنے کے لئے نکالا جائے گا۔ پانی کو بخارات میں تبدیل کرنے کے عمل کے نتیجہ میں اس کے ساتھ کئی ملین ٹن نمک بھی حاصل ہو گا۔ مگر اس کو دوبارہ سمندر میں ڈالنا ہو گا۔ کیونکہ اس کا کوئی خریدار نہیں ہے۔

منصوبہ کا دوسرا مرحلہ ۱۹۸۱ میں مکمل ہو گا اور اس پر ۱۰۰ ملین ڈالر خرچ ہوں گے۔ اس سے ۲۰ کیلومیٹر کا بند بنایا جائے گا۔ اس منصوبہ کے اخراجات زیادہ تر عراق اور عالمی بنک سے حاصل کئے گئے ہیں

حدیث

خیر الاصحاب عند الله خیرهم لصاحبه
وخیر الجیران عند الله خیرهم لجاره

(ترمذی)

اللہ کے نزدیک سب سے بہتر ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لئے سب سے بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب سے بہتر پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لئے سب سے بہتر ہو۔

مولانا محمد تقی امینی

یہ تھی اسلامی خلافت

خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی خلافت کی ذمہ داریوں کو ان لفظوں میں واضح فرمایا ہے:

لو مات کلب علی شاطی الفرات جوعا لکان عمر مسئولا یوم القیمۃ

اگر کتا بھوک کی وجہ سے فرات (جیسی دور دراز جگہ پر) کے کنارے بھی مرگیا تو قیامت کے دن عمر رض سے اس کی بازپرس ہوگی

دوسری جگہ ہے۔

لو ترکت عنز جدباء الی جانب ساقیۃ لم تدھن لخشیت ان اسئال عنہا یوم القیمۃ

اگر نہر کے کنارے بھی کوئی خارش والی بکری اس حال میں رہ جائے کہ اس پر (بطور علاج) تیل کی مالش نہ ہو تو ڈر ہے کہ قیامت کے دن عمر رض سے اس کی بازپرس ہوگی۔

ملک کے تمام افراد کو حقوق اور مملکت کے قوانین میں مساوی قرار دیا۔ قومیت، ذات، پات، رنگ و زبان اور تصور حیات کی بنا پر کسی قسم کی تفریق گوارا نہ کی جیسا کہ "دستور" کی درج ذیل دفعات سے ظاہر ہے۔

(۱) مسلم اور غیر مسلم دونوں کے خون کا معاوضہ مساوی
(۲) تعزیرات میں دونوں برابر ہیں یعنی جرائم کی جو سزا مسلمانوں کو دی جائے گی وہی غیر مسلم کو دی جائے گی،
(۳) دیوانی قانون میں دونوں برابر ہیں۔
(۴) غیر مسلموں کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانا، حتیٰ کہ پیٹھ پیچھے ان کی برائی کرنا قانوناً جرم ہے۔
(۵) غیر مسلموں کی عزت و آبرو کی اس قدر حفاظت کی جائے گی جس قدر مسلمانوں کے عزت و ناموس کی حفاظت کی جائے گی۔

عمر بن سعد رض جو حمص کے حاکم تھے اور زہد و تقدس میں تمام عہدہ داروں سے ممتاز تھے ایک مرتبہ ان کی زبان سے ایک غیر مسلم کے لئے یہ لفظ نکل گیا۔

اخزاک اللہ — اللہ تجھ کو رسوا کرے

اس پر ان کو اس قدر ندامت ہوئی کہ حضرت عمر رض کے پاس حاضر ہو کر اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور کہا کہ اس ملازمت کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی ہے

ہر قوم و ملک کے مذہب و کلچر کو خصوصیت سے برقرار رکھا اور غیر مسلموں کے معاملات ان ہی کے مذہبی طریقے اور رسم و رواج کے مطابق طے کئے۔

چنانچہ ابو عبیدہ رض کہتے ہیں:

اقرا ھلھا فیھا علی مللھم وشرائعھم

مفتوحہ ممالک کے باشندوں کو ان کے اپنے مذہب اور رسم و رواج پر برقرار رکھا۔

دوسری جگہ ہے

فھم احرار فی شھاداتھم ومناکحاتھم ومواریثھم وجمیع احکامھم

یہ سب لوگ اپنی شہادتوں میں، نکاح کے معاملات اور وراثت کے قانون میں غرض اپنے تمام قواعد و قانون میں آزاد تھے۔

اس زمانہ کے ایک نسطوری پادری نے اپنے تحفظات کے بارے میں یہ تاثرات قلم بند کئے ہیں۔

"یہ طائی (عرب)، جنھیں خدا نے آج کل حکومت عطا فرمائی ہے وہ ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں۔ لیکن وہ عیسائی مذہب سے مطلق برسرپیکار نہیں ہیں، بلکہ اس کے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں، ہمارے پادریوں اور مقدس لوگوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور کلیساؤں

کو جاگیریں عطا کرتے ہیں۔"

پروفیسر واکر قانون بین الممالک کی تاریخ میں لکھتے ہیں

"متمدن اور مہذب سلطنتوں پر وحشیوں کا دھاوا بولنا اور غالب آکر سلطنت وحکومت کا مالک بن جانا تاریخ کا ایک عادی واقعہ ہے، لیکن جرمنوں، تاتاریوں وغیرہ وحشیوں کے برخلاف عجیب بات یہ ہے کہ عرب کے بدّو جب اپنے صحرائی براعظم سے باہر کی دنیا میں امنڈ نے لگے تو اُن عربی فاتحین کو عام تصور کے وحشی فاتحین میں کسی طرح نہیں شامل کیا جاسکتا، کیوں کہ ان وحشی بدوؤں میں پہلے ہی دن سے ان کے مفتوحوں سے بھی بڑھ کر تہذیب اور اخلاقِ حسنہ نظر آتے ہیں۔

کلیسائی تاریخ وجغرافیہ کے قاموس میں ایک رومن کیتھولک پادری نے لکھا ہے:

"مسلمان عربوں کو یعقوبی (جاکو بائٹ) عیسائیوں نے بھی اپنے نجات دہندوں کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیا، مسلمانوں کی سب سے اہم جدّت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا یہ تھی کہ انھوں نے ہر مذہب کے پیروؤں کو ایک خود مختار وحدت قرار دیا اور اس مذہب کے سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیاوی اور عدالتی اقتدارات عطا کئے۔"

غیر مسلموں کو ملکی انتظامات میں شریک ودخیل بنایا۔

کتب عمر بن الخطاب الیٰ اھل الکوفۃ یبعثون الیہ رجلا من اخیرھم واصلحھم والی اھل البصرۃ کذلک والی اھل الشام کذلک

حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ وبصرہ اور اہلِ شام کو لکھا کہ اپنے میں سے بہتر اور صاحبِ صلاحیت افراد کو منتخب کرکے بھیجیں۔

اسی طرح اکثر سابق غیر مسلم افسران کو مقامی باشندوں کی مرضی سے بحال رکھا اور حکومت کا مزاج بدل جانے کے بعد ان سب نے ظلم وستم کی راہیں چھوڑ دیں۔ علامہ مقریزیؒ کہتے ہیں

فکانت جبایتھم بالتعدیل ان افسروں کی وصول تحصیل عدل وانصاف کے ساتھ ہوگئی تھی۔ ■

(امت مسلمہ کی رہنمائی)

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

ان کثیرا من الخطب من شقاشق الشیطان

بہت سے خطبے (وعظ) شیطانی ہیجان سے ہیں۔

شقاشق (جمع شقشقہ) اس جھاگ کو کہتے ہیں جو مستی کے وقت اونٹ کے منہ سے باہر آتا ہے

چنانچہ شاہ ولی اللہ رح کہتے ہیں۔

شیطان کے ساتھ اس شخص کو تشبیہہ دی جو اپنے کلام کو وسیع کرتا اور صدق وکذب کی پروا نہیں کرتا۔

حضرت عمرؓ ذبح خانے خود تشریف لے جاتے اور جس کو دو دن گوشت خریدتے دیکھتے، درّے سے اس کو سزا دیتے تھے۔

فاذا رای رجلا اشتری لحما یومین متتابعین ضربہ الدرۃ

جب کسی شخص کو دیکھتے کہ وہ دو دن مسلسل گوشت خرید رہا ہے تو اس کو درّے مارتے

اور یہ فرماتے تھے

الا طویت بطنک لجارک وابن عمک

تو نے اپنے پڑوسی اور چچیرے بھائی کیلئے کیوں کفایت نہیں کی۔

آدمی ہمیشہ ایک جواب تلاش کر لیتا ہے

عثمان بن عفان کی شہادت کے بعد علی بن ابی طالب کو خلیفہ بنایا گیا۔ تمام ممالک اسلامی کے لوگ آپ کے حق میں بیعت ہو گئے، صرف شام باقی رہا جہاں معاویہ بن ابی سفیان خون عثمان کا مطالبہ کر رہے تھے اور خلیفہ چہارم سے صلح کی ہر پیش کش کو رد کر رہے تھے۔

بالآخر صفین کے مقام پر علی و معاویہ کی فوجوں میں جنگ ہوئی۔ سارے قرائن و دلائل ثابت کر رہے تھے کہ اس معاملہ میں علی بن ابی طالب حق پر ہیں۔ حتی کہ قتال کے درمیان بعض ایسے واقعات پیش آئے جو نص صریح کی سطح پر آنجناب کی حقانیت کی تصدیق کر رہے تھے۔ مگر مخالف گروہ کے پاس الفاظ کی کمی نہ تھی، اس نے ہر ایسی چیز کی تردید میں ایک جواب تلاش کر لیا۔

خلیفہ چہارم کے ساتھیوں میں جو لوگ قتل ہوئے، ان میں ایک صحابی عمار بن یاسر بھی تھے۔ یہ نوے سال کے ہو چکے تھے۔ مگر اس بڑھاپے کے باوجود انتہائی بہادری کے ساتھ لڑے۔ جنگ کے وقت یہ رجزیہ اشعار ان کی زبان پر تھے:

من رائح الی الجنة	جنت کون چلتا ہے
الیوم القی الاحبة	آج میں دوستوں سے ملنے جا رہا ہوں
محمد او حزبہ	محمدؐ اور ان کی جماعت سے

عمار بن یاسر کا اس جنگ میں قتل ہونا صریح طور پر شہادت دے رہا تھا کہ اس مقابلہ میں حق کس کے ساتھ ہے، کیوں کہ مہاجرین و انصار کے درمیان یہ واقعہ مشہور تھا کہ مدینہ میں مسجد تعمیر کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمار کے سر پر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

افسوس اے ابن سمیہ! تجھ کو باغیوں کی

عمارؓ یاسر اور سمیہ کے لڑکے تھے جن کو مکہ میں اسلام دشمنوں نے سخت ترین تکلیفیں پہنچائیں، یہاں تک کہ دونوں شہید ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ مکہ کے ابتدائی دور میں ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم آل یاسر کی طرف سے ایسے وقت میں گزرے جب کہ ان پر تشدد کیا جا رہا تھا۔ یاسر کے منھ سے صرف اتنا نکلا:

یا رسول اللہ بس یہ ہے دنیا۔

راویان سیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آل یاسر صبر کرو، تم سے جنت کا وعدہ ہو چکا ہے۔"

یاسر اور ان کی بیوی سمیہ اسلام میں سب سے پہلے مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ ماں باپ کا روح فرسا انجام دیکھنے کے باوجود عمار کے عزم میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ مزید یقین کے ساتھ اسلام پر جم گئے۔ راویان آثار و سیر کا بیان ہے کہ عمار بن یاسر پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے اپنے گھر میں مسجد بنائی۔ اسباب نزول کی روایات کے مطابق ذیل کی آیت انھیں کے بارے میں اتری تھی:

"بھلا جو شخص اپنی راتوں کو سجدہ و قیام کی حالت میں گزار رہا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہو (وہ اور غافل لوگ یکساں ہیں) کہو کیا علم والے اور بے علم والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو عقل والے ہیں" (زمر)

*

ایک جماعت قتل کرے گی۔

انصار کے ایک مرد صالح خزیمہ بن ثابت صفین کے وقت علی بن ابی طالب کے ساتھ تھے۔ مگر جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ کیوں کہ ان کا دل شک سے پوری طرح خالی نہ ہو سکا تھا۔ مگر جب عمار کو انھوں نے اہل شام کی تلواروں سے قتل ہوتا ہوا دیکھ لیا تو بے اختیار پکار اٹھے: "حق ظاہر ہو گیا" اس کے بعد وہ علی بن ابی طالب کے لشکر میں شامل ہوئے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

تاہم معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن العاص نے ایک جواب تلاش کر لیا۔ انھوں نے کہا:

"ہم نے کب عمار کو قتل کیا ہے، ان کو تو ان لوگوں نے قتل کیا ہے جو ان کو یہاں لڑنے کے لئے لائے تھے۔"

ایسا نہ ہو کہ خدا کا قانون ہمیں پکڑ لے

گائے بھینس پالنے والوں کے سامنے ایک مسئلہ یہ رہتا ہے کہ مویشی کے دودھ کو اس کے بچہ سے کس طرح بچائیں۔ اس کا ایک طریقہ بعض علاقوں میں یہ ہے کہ بچہ کے سر پر ایک سینگ نما دو شاخہ لکڑی باندھ دیتے ہیں جس کو کٹیلا (کانٹے والا) کہتے ہیں۔ بچہ جب دودھ پینے کے لئے جانور کے تھن کے پاس اپنا منھ لے جاتا ہے تو اس کے منھ سے پہلے اس کا کٹیلا جانور کے تھن سے ٹکراتا ہے اور جانور بدک کر ہٹ جاتا ہے۔ کٹیلا باندھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ اور اس کی ماں کا تھن، دونوں ایک دوسرے سے ملنے ہی نہیں پاتے۔

ایسا ہی کچھ معاملہ اس وقت مسلمانوں کا ہو رہا ہے۔ دوسری اقوام ان کے لئے مدعو (جس کو دعوت پہنچائی جائے) کی حیثیت رکھتی ہیں اور وہ ان کے اوپر حق کے داعی ہیں۔ مگر مسلمانوں نے عرصہ سے اپنی مدعو اقوام سے سیاسی اور معاشی لڑائی چھیڑ رکھی ہے۔ ہر جگہ وہ ان کے دنیوی اور مادی حریف بنے ہوئے ہیں۔ ٹکراؤ کی یہ سیاست ان کے ملی وجود کے اوپر ایک قسم کا کٹیلا بن گئی ہے۔ جب مسلمان اور دوسری قوموں کے افراد ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں تو قبل اس کے کہ وہ مسلمانوں کی اسلامی حیثیت کو جانیں، ان کا ٹکراؤ کردار "کٹیلا" ان سے ٹکرا جاتا ہے اور وہ ان سے متوحش ہو کر الگ ہو جاتے ہیں۔ وہ فضا بننے کی نوبت ہی نہیں آتی جس میں دوسری قومیں مسلمانوں کے دینی پیغام سے متعارف ہوں اور اس پر غیر جانب دارانہ انداز سے غور کریں۔

اگر ہم کو یقین ہے کہ آخرت آنے والی ہے اور لوگوں سے ان کے اعمال کی پوچھ ہونی ہے تو ہمارے اوپر لازم ہے کہ اس کٹیلا کو اپنے اوپر سے اتاریں۔ اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو سخت اندیشہ ہے کہ خدا کا قانون ہم کو پکڑ لے اور ہمارے اپنے جرائم کے ساتھ دوسری قوموں کا عذاب بھی ہمارے اوپر ڈال دیا جائے۔

خدا کی مدد کی ایک شکل یہ بھی ہے

اہل ایمان کو لازماً خدا کی مدد حاصل ہوتی ہے۔ مگر یہ مدد انھیں لوگوں کے لئے ہے جو نفسانی محرکات سے اوپر اٹھ چکے ہوں۔ جو اللہ کو سربلند کرنے کے لئے کام کریں نہ کہ اپنی ذات کو نمایاں کرنے کے لئے۔

ہجرت کے چھٹے سال حدیبیہ کے مقام پر جو دس سالہ معاہدہ کیا گیا، اس کی ایک دفعہ یہ تھی:

"قریش کا جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر بھاگ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے گا، اس کو آپ واپس کردیں گے اور آپ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس چلا جائے گا اس کو وہ واپس نہ کریں گے۔"

اس معاہدہ کی تکمیل کے وقت قریش کی نمائندگی سہیل بن عمرو کر رہے تھے۔ معاہدہ ابھی لکھا ہی جارہا تھا کہ سہیل بن عمرو کے لڑکے ابو جندل آگئے۔ وہ مسلمان ہوگئے تھے۔ مگر مکہ والوں نے ان کو قید کر رکھا تھا۔ مکہ سے حدیبیہ (موجودہ شمیسی) تک ۱۳ میل کا فاصلہ طے کرکے وہ اس طرح آپ کے کیمپ میں پہنچے کہ اب بھی ان کے پیروں میں بیڑیاں تھیں اور جسم پہ مار پیٹ کے نشانات تھے۔ انھوں نے آپ سے فریاد کی کہ مجھ کو اس قید سے نجات دلائی جائے۔ صحابہ کے لئے بھی اپنے مومن بھائی کی یہ حالت دیکھ کر ضبط کرنا مشکل ہوگیا۔ مگر سہیل بن عمرو نے کہا کہ معاہدہ کی تحریر چاہے مکمل نہ ہوئی ہو، شرائط تو ہمارے آپ کے درمیان طے ہوچکی ہیں۔ اس لئے میرے لڑکے کو میرے حوالے کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دلیل کو تسلیم کرتے ہوئے ابو جندل کو ان کے حوالے کردیا اور وہ روتے ہوئے مکہ واپس گئے۔ اسی طرح ابو بصیر اور دوسرے مسلمان جو قریش کی قید سے بھاگ کر مدینہ آئے، ان کو حسب معاہدہ قریش کو واپس کیا جاتا رہا۔

مگر اس کے برعکس مسلمان عورتوں کے معاملہ میں اس اصول کی پابندی نہیں کی گئی۔ قرآن میں آیت اتری:

"اے ایمان والو، جب مومن عورتیں ہجرت کرکے تمھارے پاس آئیں تو ان کی جانچ کرلو، پھر جب تمھیں معلوم ہوجائے کہ وہ مومن ہیں تو ان کو کفار کی طرف واپس نہ کرو" (ممتحنہ۔ ۱۰)

اس سلسلہ میں، مثال کے طور پر یہ واقعہ آتا ہے کہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچیں۔ مکہ والوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے معاہدہ کا حوالہ دے کر ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ ام کلثوم کے دو بھائی ولید بن عقبہ اور عمارہ بن عقبہ انھیں واپس لے جانے کے لئے مدینہ آئے۔ اس کے باوجود ان کو واپس نہیں کیا گیا۔

بظاہر یہ معاہدہ کی خلاف ورزی تھی۔ اور قریش کے لئے زبردست موقع تھا کہ وہ آپ کی بدعہدی کا شور مچاکر آپ کو بدنام کریں۔ مگر قریش آپ کے ساتھ انتہائی دشمنی کے باوجود، بالکل خاموش ہوگئے۔ انھوں نے اس کے خلاف احتجاج تک نہیں کیا۔ ایسا کیوں کر ہوا، سیرت اور تفسیر کی عام کتابوں میں اس کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ قاضی ابوبکر ابن عربی نے لکھا ہے کہ قریش اس لئے خاموش ہوگئے کہ اللہ تعالے نے بطور معجزہ اس معاملہ میں ان کی زبان بندی کردی تھی۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالے کی مدد تھی مگر ان معنوں میں نہیں جن معنوں میں لفظ "معجزہ" عام طور

پر بولا جاتا ہے۔

معاہدہ کے الفاظ پر غور کرکے اس کی حقیقت سمجھی جا سکتی ہے۔ دوسری اکثر روایات کی طرح، معاہدہ حدیبیہ کی شرائط بھی اکثر راویوں نے اپنے اپنے الفاظ میں بیان کی ہیں۔ مثال کے طور پر زیر بحث شرط کے متعلق مختلف روایتوں کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

من جاء منکم لم نردہ علیکم ومن جاء کم منا رددتموہ علینا

من اتی رسول اللہ من اصحابہ بغیر اذن ولیہ ردہ علیہ

من اتی محمدا من قریش بغیر اذن ولیہ ردہ علیھم

علی ان لا یاتیك منا رجل وان کان علی دینك الا رددتہ الینا

آخری روایت بخاری (کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ) کی ہے اور باعتبار سند قوی ہونے کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ غالباً معاہدہ کی مذکورہ شرط کے اصل الفاظ یہی تھے۔ اگر یہ مان لیا جائے تو اس فقرہ میں رجل (مرد) کے لفظ نے مسلمانوں کو موقع دیا کہ وہ مکہ سے آئی ہوئی مسلم خواتین کو اس دفعہ سے مستثنیٰ قرار دے سکیں۔

معاہدہ کی یہ شرط مسلمانوں کی طرف سے نہ تھی، بلکہ مکہ والوں کی طرف سے تھی۔ ان کی جانب سے سہیل بن عمرو نے معاہدہ میں دفعہ کے یہ الفاظ لکھوائے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ دفعہ کے الفاظ لکھواتے وقت سہیل کے ذہن میں "کوئی شخص" کا مفہوم ہو جس میں عورت اور مرد دونوں شامل ہوتے ہیں۔ مگر اپنے اس ذہنی مفہوم کو لفظی شکل دیتے ہوئے اس کی زبان سے جو لفظ نکلا وہ "رجل" تھا جو عربی زبان میں صرف مرد کے لئے بولا جاتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ام کلثوم بنت عُقبہ کے مدینہ پہنچنے کے بعد جب ان کے بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بہن کی واپسی کا مطالبہ کیا، تو امام زُہری کی روایت کے مطابق، آپ نے ان کو واپس دینے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

کان الشرط فی الرجال دون النساء

شرط مردوں کے بارہ میں تھی نہ کہ عورتوں کے بارہ میں

(احکام القرآن لابن عربی، تفسیر رازی)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تک خود قریش بھی غالباً اس غلط فہمی میں تھے کہ معاہدہ کی یہ دفعہ ہر طرح کے مہاجرین کے بارہ میں ہے۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورت۔ مگر جب آپ نے توجہ دلائی کہ معاہدہ میں رجل (مرد) کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ تو انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لفظ کے ذریعہ مسلم خواتین کو ذلت کی واپسی سے بچا لیا۔

تاہم قریش کی اخلاقی بلندی کا اعتراف کرنا بھی ضروری ہے۔ اس معاملہ میں مسلمانوں کے پاس صرف ایک لفظی دلیل تھی اور وہ دشمن ہوتے ہوئے اس کے آگے جھک گئے۔ حالاں کہ بحث و تاویل کا دروازہ اتنا وسیع ہے کہ نہ ماننے والے ذہن کو کسی مقام پر بھی جھکنے کی ضرورت نہیں، وہ اپنے زرخیز ذہن کو استعمال کرکے ہر بات کو اپنے مفید مطلب معنی پہنا سکتا ہے خواہ اس کے الفاظ کچھ بھی ہوں۔ کوئی دلیل اسی کے لئے دلیل ہے جو اس کے آگے جھکنے کے لئے تیار ہو۔ جو جھکنے کے لئے تیار نہ ہو، اس کے لئے کوئی دلیل، دلیل نہیں۔

قریش اگر ہٹ دھرمی کرتے تب بھی خدا کی مدد آتی۔ ظالم کی تدبیریں مظلوموں کیلئے نصرت الٰہی کا دروازہ بند نہیں کرتیں الا یہ کہ مظلوم خود ہی اپنی بداعمالی سے نصرت کا استحقاق کھو دے۔

اسلام کیا ہے

اسلام کوئی نیا مذہب نہیں۔ یہ اسی مذہب کا زیادہ جامع اور صحیح ایڈیشن ہے جو خدا کے دوسرے رسول پچھلے زمانوں میں لے کر آتے رہے۔

انسان اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے تخلیق کا شاہکار ہے۔ مگر صلاحیتوں کے ظہور کے اعتبار سے انسان اس دنیا کی سب سے زیادہ ناکام مخلوق ہے۔ ایک درخت ہزار برس تک ہرا بھرا کھڑا رہتا ہے۔ مگر انسان سو سال سے بھی کم مدت میں مرجاتا ہے۔ خوشیوں اور لذتوں سے ہم سیر نہیں ہو پاتے کہ وہ اچانک ہمارا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔ انسان جب اپنے علم، تجربہ اور پختگی کی آخری انتہا کو پہنچتا ہے تو اچانک اس کی موت آجاتی ہے۔

کیا انسانی زندگی ایک المیہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ نہیں۔ علم الموت (THANATALOGY) اور سائیکیکل ریسرچ سے ثابت ہوا ہے کہ موت انسانی زندگی کا خاتمہ نہیں۔ مذہب اس دریافت کو مکمل کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ ہماری موجودہ زندگی، اصل منزل کی طرف محض ایک سفر ہے۔ انسانی زندگی کی مثال تو وہ برف (ICE BERG) کی سی ہے۔ جس کا بہت تھوڑا حصہ اوپر نظر آتا ہے اور زیادہ حصہ سمندر کی گہرائیوں میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔ موجودہ دنیا ہماری مدت حیات کا وہ مختصر حصہ ہے جس میں ہم اپنی اگلی طویل تر زندگی کے لئے تیاری کر رہے ہیں۔ ہماری زندگی کو ہمارے خالق نے دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ ایک، پیدائش سے لے کر موت تک۔ دوسرا موت کے بعد۔ موجودہ دنیا ہماری صلاحیتوں کے ظہور کے لئے نامکمل ہے۔ وہ زوال اور فنا کے قانون سے بندھی ہوئی ہے۔ یہاں ہم اپنی امنگوں اور سرگرمیوں کو آخری حد تک پورا نہیں کر پاتے۔ اسی کے ساتھ دوسری چیز یہ ہے کہ اس دنیا میں کوئی ایسی کارفرما قوت نہیں جو بھلے اور برے کو اپنے اپنے دائرہ میں رکھے۔ جو اس بات کی نگرانی کرے کہ عزت اور سربلندی انھیں کو ملے جو واقعی اس کے حق دار ہیں اور وہ لوگ لازماً اس سے محروم رہیں جنھوں نے اپنے اندر اس کا واقعی استحقاق پیدا نہیں کیا ہے۔ زندگی کا اگلا مرحلہ انھیں کمیوں کی دائمی تلافی ہے۔

دنیا کی موجودہ صورت حال کی وجہ یہ ہے کہ خالق نے انسان کو یہاں آزادی اور اختیار دے رکھا ہے اور اپنے آپ کو عارضی طور پر غیب کے پردہ میں چھپا لیا ہے۔ جب تمام پیدا ہونے والے انسان پیدا ہوکر اپنے امتحان کی مدت پوری کر چکے ہوں گے تو زمین و آسمان کا قانون بدل دیا جائے گا۔ اور خدا اپنی طاقتوں کے ساتھ ظاہر ہو جائے گا۔ اس کے بعد ایک ایسا عالم بنایا جائے گا جہاں موجودہ دنیا کی تمام کمیوں کو ختم کر کے اس کو ایک مکمل دنیا بنا دیا جائے گا اور انسان براہ راست خدا کے زیر حکم آجائے گا جس طرح آج بھی بقیہ دنیا براہ راست خدا کے زیر حکم ہے۔ بائبل کے الفاظ میں انسانی بادشاہت ختم ہوکر "آسمانی بادشاہت" شروع ہوگی۔ اس کے بعد انسان اپنی تمناؤں کی دنیا میں اپنی زندگی شروع کرے گا اور وہ سب کچھ مزید اضافہ کے ساتھ پالے گا جس کا آج وہ صرف خواب دیکھ سکتا ہے۔ مگر اس جنتی زندگی میں صرف انھیں لوگوں کو حصہ ملے گا جنھوں نے اپنی موجودہ زندگی میں اس کی تیاری کی ہو۔

جنھوں نے غفلت یا سرکشی میں موجودہ مواقع کو کھو دیا ہو، ان کے لئے اس اگلی زندگی میں بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔

انسان کے سوا جو کائنات ہے، وہ آج بھی ہر قسم کے نقص سے خالی ہے۔ انسانی بستیوں سے دور فطرت کی دنیا کتنی حسین ہے۔ صبح کے وقت جب پہاڑوں اور درختوں کے اوپر سورج اپنی سنہری کرنیں پھیلاتا ہے اور چڑیوں کے چہچہے کے ساتھ نئے دن کا آغاز ہوتا ہے تو یہ ایسا بے پناہ منظر ہوتا ہے کہ دیکھنے والا چاہنے لگتا ہے کہ خود بھی اس آفاقی حسن کے اندر جذب ہو جائے۔ زمین کے سبزہ زاروں سے لے کر آسمان کے جگمگاتے ہوئے ستاروں تک کی یہ دنیا براہِ راست خدا کے زیر حکم ہے۔ یہ کثافت (POLLUTION) اور بدعنوانی (CORRUPTION) سے پاک ہو کر اپنا عمل کر رہی ہے۔ اس کے برعکس انسانی دنیا میں عارضی طور پر انسان کو اختیار ملا ہوا ہے۔ اس اختیار اور آزادی نے انسانی دنیا کو جہنم کدہ بنا دیا ہے۔ جب اس صورت حال کو ختم کر کے انسانی دنیا میں بھی خدائی اقتدار قائم ہو جائے گا تو یہاں بھی اسی طرح ایک حسین دنیا وجود میں آجائے گی جس کا مشاہدہ ہم اپنے سے باہر کی دنیا میں کر رہے ہیں۔

جس طرح انڈے کے بظاہر سادہ خول کے اندر ایک مکمل زندگی کا امکان چھپا ہوا ہوتا ہے اور یہ امکان اتنا قوی ہوتا ہے کہ حالات کی مساعدت پاتے ہی خول توڑ کر باہر آجاتا ہے۔ اسی طرح ہماری موجودہ دنیا کے اندر ایک اور زیادہ مکمل دنیا کا امکان چھپا ہوا ہے۔ جب وقت آئے گا تو یہ امکان اپنے تمام ظاہری پردوں کو پھاڑ کر ظاہر ہو جائے گا۔

"دنیا کے اندر دوسری دنیا کا چھپا ہونا" ایک ایسی حقیقت ہے جو آج کے انسان کے لئے جانی بوجھی چیز بن چکی ہے۔ آج جب ہم ریڈیو یا ٹیلی وژن کھولتے ہیں تو اچانک ہم دریافت کرتے ہیں کہ ہمارے گرد و پیش ایک ایسی دنیا موجود تھی جس سے ہم اپنا سیٹ کھولنے سے پہلے بالکل بے خبر تھے۔ جدید سائنسی انقلاب نے ثابت کیا ہے کہ ہماری دنیا کے اندر ایک اور، زیادہ مکمل دنیا، چھپی ہوئی تھی، مگر انسان صرف سو برس پہلے تک اس امکان سے قطعاً بے خبر تھا۔ انسان اس زمین پر نامعلوم مدت سے آباد ہے اور تقریباً ۲۵ ہزار برس کے واقعات تو کسی نہ کسی درجہ میں تاریخی ریکارڈ میں آچکے ہیں۔ مگر اس طویل ترین تاریخ میں انسان کی واقفیت صرف ان ذرائع حیات تک محدود تھی جو ظاہری طور پر اس کو اپنی آنکھوں سے دکھائی دے رہے تھے۔ اب سے چند سو برس پہلے اگر کوئی شخص یہ کہتا کہ بیسویں صدی میں ہماری موجودہ دنیا ایک بالکل مختلف قسم کی دنیا میں تبدیل ہو جائے گی جہاں منصوبہ بند شہر ہوں گے۔ بٹن دبانے سے مکانات روشن ہو جایا کریں گے۔ انسان ہوا میں اڑے گا۔ وہ ریڈیائی لہروں کے ذریعہ خلائی راکٹوں کو کنٹرول کرے گا۔ انسان کی آواز ایک سکنڈ سے بھی کم عرصہ میں پورے کرۂ ارض کا چکر لگا لے گی۔ زمین کے کسی بھی حصہ میں رہنے والا ایک آدمی کسی بھی دوسرے حصہ کے ایک آدمی سے اس طرح بات کرے گا جیسے دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوں۔ انسان کی ہو بہو تصویریں اتاری جائیں گی اور وہ چاند اور دوسرے سیاروں کا سفر کرے گا۔ وغیرہ وغیرہ تو اس قسم کی باتیں لوگوں کو جادو اور طلسم کی باتیں معلوم ہوتیں۔ مگر آج ہماری سابقہ دنیا کے اندر سے یہ دوسری دنیا نکل کر ہماری آنکھوں کے سامنے آچکی ہے۔

یہ ہے انسانی زندگی کی اصل حقیقت۔ اس حقیقت سے انسان کو باخبر کرنے کے لئے خالق نے پہلا انتظام

یہ کیا کہ خود انسان کے اندر پیدائشی طور پر ایک برتر زندگی کا تصور رکھ دیا تاکہ وہ اپنی اندرونی طلب کے تحت اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا رہے۔ ساری انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ ایک برتر زندگی کا خواب انسان کے اندرون میں اس طرح پیوست ہے کہ وہ کسی طرح اس کو نکال نہیں سکتا۔

اس برتر زندگی کو انسان کس طرح پا سکتا ہے، اس کو بتانے کے لئے خالق نے یہ انتظام کیا کہ رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا۔ ابوالبشر آدم نہ صرف پہلے انسان تھے بلکہ خدا کے رسول بھی تھے جن کو خدا نے شعوری طور پر اپنی مرضی کا علم دیا تھا۔ اس کے بعد نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، اور دوسرے ہزاروں پیغمبر ہر ملک میں اور ہر بستی میں آئے اور ہر زمانہ میں انسان کو زندگی کی حقیقت بتاتے رہے اور اس واقعہ سے آگاہ کرتے رہے کہ یہ کائنات کس خاص منصوبہ کے تحت بنائی گئی ہے اور بالآخر اس کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ مگر ان پیغمبروں کے ذریعہ جو خدائی تعلیم انسان کے پاس بھیجی گئی، اس کو انسان بار بار ضائع کرتا رہا۔ یا تو اصل آسمانی متن ہی گم ہوگیا یا اس میں انسانی کلام اس طرح مل گیا کہ یہ معلوم کرنا ممکن نہ رہا کہ کون سا حصہ خدائی کلام کا ہے اور کون سا وہ ہے جو انسان کے ہاتھوں اضافہ ہوا ہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آیا جب انسانیت دورِ تاریخ میں پہنچ گئی۔ اس وقت خدا نے پیغمبر عربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آخری کتاب بھیجی اور اپنی خصوصی مدد سے دوسرے تمام ادیان کو زیر کرکے اس کتاب کی بنیاد پر ایک طاقتور سلطنت قائم کردی جو ایک ہزار سال تک پوری شان کے ساتھ چلتی رہی اور خدا کی آخری کتاب کی حفاظت کرتی رہی۔ اس کے بعد وہ وقت آیا جب انسانی تاریخ ایک قدم اور آگے بڑھی اور پریس کے دور میں داخل ہوگئی۔ پہلے قرآن کا ہر نسخہ الگ الگ ہاتھ سے لکھا جاتا تھا۔ اب یہ ممکن ہوگیا کہ ایک صحیح نسخہ لکھ کر اس سے کروروں نسخے چھاپ لئے جائیں۔ اس طرح قرآن میں کسی قسم کی تبدیلی کا امکان ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

عرب کے پیغمبر جو دین خدا کی طرف سے لائے، اس کی حیثیت کسی نئے دین کی نہیں۔ یہ ٹھیک وہی دین ہے جس کو پچھلے نبیوں نے اپنے اپنے زمانہ میں پیش کیا تھا۔ قرآن کی حیثیت صرف یہ ہے کہ وہ پچھلی آسمانی تعلیمات کا مستند اڈیشن ہے پیغمبر عربی نے خدا کے دین کو تاریخ کی حیثیت دے دی ہے، جب کہ اس سے پہلے خدا کا دین محض افسانوی روایات کے مجموعہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی طرح پچھلے صحیفوں میں ترجمہ یا الحاق کے ذریعہ جو غلطیاں داخل ہوگئی تھیں ان کی اصلاح کی اور اس میں تکمیلی احکام کا اضافہ کرکے اس کو ایسا جامع صحیفہ بنا دیا جو قیامت تک انسان کی ضرورت پوری کرتا رہے۔ اسرائیلی انبیاء کے ذریعہ خدا نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ بعد کے زمانہ میں میں نیا عہد باندھوں گا جو میرا "ابدی عہد" ہوگا۔ (یوحنا ۔۱۴: ۱۶) موجودہ بائبل میں انجیل کو "نیا عہدنامہ" کہا جاتا ہے۔ مگر خدا کا نیا عہدنامہ حقیقۃً قرآن ہے۔ انجیل تو صرف اس نئے عہدنامہ کی بشارت تھی نہ کہ خود نیا عہدنامہ تھی۔ ☆

اسلام کائنات کا دین ہے، وہ ہر انسان کے دل کی آواز ہے۔ وہ خدائی تعلیمات کا مستند اڈیشن ہے

جس میدان میں چیلنج درپیش ہو
اسی میدان میں باطل کو شکست دینا ہے

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب میں ایک مشہور پہلوان تھا۔ اس کا نام رُکانہ تھا۔ ایک روز ایسا ہوا کہ آپ مکہ کی گھاٹی سے گزر رہے تھے۔ وہاں رُکانہ مل گیا۔ آپؐ لوگوں کی اصلاح وہدایت کے انتہائی حریص تھے۔ جب بھی کوئی شخص ملتا، آپ چاہتے کہ کسی نہ کسی طرح اس کے سامنے اللہ کی بات پیش کردیں۔ آپ نے بڑھ کر رکانہ سے ملاقات کی اور اس کے سامنے اللہ کا دین پیش کیا۔ اور کہا کہ اگر نجات اور کامیابی چاہتے ہو تو اس راستہ کو اختیار کرلو۔

رکانہ بولا: "محمد! اگر یہ ثابت ہوجائے کہ آپ حق پر ہیں تو میں آپ کی بات مان لوں گا" وہ پہلوان آدمی تھا۔ اس کے نزدیک سب سے بڑی دلیل جسمانی طاقت تھی۔ آپ نے اس کے اپنے ذہن کے مطابق اس کو جواب دیا: "اگر میں کشتی میں تمھیں زیر کردوں تو کیا تم میری بات مان لوگے"۔ اس نے کہا ہاں۔

دونوں میں کشتی ہوئی۔ پیغمبر اسلام نے رکانہ کو پٹک دیا۔ رکانہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ محمد اگر سچے بھی ہوں تو وہ زیادہ سے زیادہ روحانی آدمی ہوں گے۔ ان کو جسمانی طاقت سے کیا تعلق۔ اس نے سمجھا کہ شاید کسی اتفاقی سبب سے وہ کامیاب ہوگئے ہیں۔ اس لئے وہ دوبارہ کھڑا ہوگیا۔ اور بولا: "ایک بار اور لڑوں گا"۔ پیغمبر اسلام دوبارہ اس سے لڑے اور پھر اس کو پٹک دیا۔ اب اسے یقین ہوگیا کہ میں محمدؐ سے جیت نہیں سکتا۔ آپ نے اس کو وعدہ یاد دلایا۔ مگر وہ اپنے وعدہ سے پھر گیا اور یہ کہتا ہوا چلا گیا: "تم جادوگر ہو، بڑے جادوگر"۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ باطل کی طرف سے حق کو جو چیلنج درپیش ہو، اہل حق کو ٹھیک اسی میدان میں اہل باطل کو شکست دینی چاہئے۔ اس کے بغیر حق کی طرف سے حجت کا اتمام نہیں ہوسکتا۔ اس معاملہ میں اہل حق کی تیاری اتنی اعلیٰ معیار کی ہونی چاہئے کہ اہل باطل کسی حال میں ان پر غالب نہ آسکیں۔ حتیٰ کہ اگر تعصب اور ہٹ دھرمی کسی کے لئے قبول حق میں رکاوٹ بن جائے تب بھی یہ کہہ کر وہ حق کی برتری کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو:

"یہ تو جادو ہے جادو"۔ ☐

"سادھارن گُنوں سے اسادھارن منش بنتے ہیں" یہ ہندی کی ایک سوکتی ہے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بڑا انسان بننے کے لئے کوئی بڑا واقعہ چاہیے جو اس کو اخبار کی شاہ سرخی میں جگہ دے سکے۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اکثر معمولی باتوں میں غیر معمولی انسان بننے کا راز چھپا ہوتا ہے۔ مگر بہت کم لوگ ہیں جو اس راز کو جانتے ہوں

مثبت کام کی ضرورت ہے

فرانسیسی ناول نگار وکٹر ہیوگو (۱۸۸۵-۱۸۰۲) نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب نہایت مہمل ہے اور زہر سے بھری ہوئی ہے۔ ایک ناول نگار کو کیا ضرورت پیش آئی کہ وہ پیغمبر اسلام کی سیرت پر اس قسم کی کتاب لکھے۔ اس کا جواب وکٹر ہیوگو کے حالات زندگی سے ملتا ہے۔

وکٹر ہیوگو کے زمانہ میں الجزائر پر فرانس نے قبضہ کر لیا تھا اور سیاسی لیڈروں کی تقریروں کی وجہ سے وہاں کے عام لوگوں میں فرانس کے خلاف سخت نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ ایک روز ایسا ہوا کہ وکٹر ہیوگو کسی ہوٹل میں گیا۔ وہاں ایک الجزائری مسلمان بھی تھا۔ کسی بات پر دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ وکٹر ہیوگو نے مسلمان کو مارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مگر الجزائری مسلمان پہلے ہی اس کے اوپر جھپٹ پڑا اور اس کی خوب پٹائی کی۔ اس موقع پر وہاں کچھ اور بھی الجزائری مسلمان موجود تھے۔ ایک فرانسیسی کے پٹ جانے پر وہ خوب خوش ہوئے اور تالیاں بجائیں۔ وکٹر ہیوگو نے کہا "اب تو میں تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مگر جلد ہی میں ایک ایسا کام کروں گا جو نہ صرف تم سے بلکہ تمھاری نسلوں تک سے اس کا انتقام لے لے"

اس جھگڑے کے پانچ ماہ بعد وہ کتاب منظر عام پر آئی جس کے ایک ایک فقرے میں پیغمبر اسلام کے خلاف زہر بھرا ہوا ہے۔

پاکستان کے سفیر برائے فرانس قدرت اللہ شہاب نے اس کتاب کی تردید میں ایک کتاب شائع کی ہے — مسلمان "معاندین اسلام" کے خلاف جوابی کتاب لکھنے کے لئے تو بہت شوق کے ساتھ تیار ہو جاتا ہے۔ مگر خود اپنے اندر وہ حالات پیدا نہیں کرتا جس کو دیکھ کر معاندین اسلام کی غلط فہمیاں دور ہوں اور خدا کے دین سے متوحش ہونے والے خدا کے دین کے قریب آنے لگیں۔

"استعمار" کے خلاف پچھلی صدیوں میں جو سیاسی ہنگامے کئے گئے ہیں ان سے اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا، البتہ یہ بہت بڑا نقصان ہوا کہ دوسری قوموں کے لئے اسلام پر غور و فکر کا ماحول ختم ہو گیا۔ مغربی قومیں ہمارے لئے دعوت کا موضوع بننے کے بجائے نفرت کا موضوع بن گئیں۔

مغرب کے لوگوں کو ہم نے اس نظر سے نہیں دیکھا کہ خدا کے یہ بندے ہمارے لئے مدعو کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہماری ذمہ داری ہے کہ ان کو خدا کا پیغام پہنچائیں۔ اس کے برعکس ہم سمجھنے لگے کہ یہ بدترین مخلوق ہیں۔ انھیں ذلیل کرنا اور ان سے دور رہنا ہی تقدس کی بہترین نشانی ہے۔ مولانا مملوک علی کو اپنی ملازمت کی وجہ سے کبھی کبھی انگریز سے مصافحہ کرنا پڑتا تھا۔ مگر اس کے فوراً بعد وہ غسل خانہ میں جا کر ہاتھ دھوتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ انگریز کو چھونے کی وجہ سے ان کا ہاتھ نجس ہو گیا ہے

دوسروں کے مقابلہ میں آپ کو کوئی بڑائی یا عزت مل جائے، تو دوسروں کو حقیر نہ سمجھئے۔ کیوں کہ بڑے اور چھوٹے دونوں بالآخر برابر ہو جانے والے ہیں۔ اس کے بعد بڑائی اسی کے لئے ہوگی جس کو خدا بڑا بنائے۔ اور چھوٹا وہ ہوگا جو خدا کے نزدیک چھوٹا قرار پائے۔

نفرت کے جواب میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور محبت کے جواب میں محبت ۔ اسی لئے اسلام نے یہ طریقہ سکھایا ہے کہ کسی کو غلطی کرتے دیکھو تو اس کو حکمت و محبت کے ساتھ سمجھاؤ جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے کو سمجھاتا ہے

عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں فجر کی جماعت میں اس لئے پیچھے رہ جاتا ہوں کہ فلاں صاحب ہماری مسجد میں نماز پڑھاتے ہیں اور وہ اس کو بہت لمبا کر دیتے ہیں۔" آپ یہ سن کر غضبناک ہو گئے ۔ حتیٰ کہ اس سے زیادہ غضبناک میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا تھا ۔ پھر آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا :

یا ایہا الناس ان منکم منفرین، فمن ام منکم الناس فلیتجوز، فان خلفہ الضعیف والکبیر و ذالحاجۃ (بخاری)

لوگو، تم میں کچھ ایسے ہیں جو لوگوں کو دین سے دور کر دیتے ہیں ۔ تم میں سے جو شخص لوگوں کی امامت کرے ، اس کو چاہئے کہ مختصر نماز پڑھائے ، کیونکہ اس کے پیچھے کوئی کمزور ہے ، کوئی بوڑھا ، کوئی ضرورت مند ۔

حضرت جابرؓ ایک روایت میں بتاتے ہیں کہ معاذ بن جبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی مسجد میں نماز پڑھتے تھے ۔ یہاں سے واپس ہو کر جاتے اور اپنے محلہ والوں کی امامت کرتے ۔ ایک دن انھوں نے عشاء کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ بقر پڑھی ۔ ایک آدمی لمبی قرأت سے گھبرا کر نماز سے الگ ہو گیا ۔ اس کے بعد حضرت معاذ اس سے کھنچے کھنچے رہنے لگے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے اس آدمی کو کچھ نہیں کہا ۔ البتہ حضرت معاذ کی بابت فرمایا : فتان، فتان، فتان (فتنہ انگیز، فتنہ انگیز، فتنہ انگیز) بخاری

اس سلسلے کا سب سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ وہ ہے جب کہ ایک دیہاتی شخص آیا اور مسجد نبوی میں پیشاب کرنے لگا ۔ لوگ اس کی طرف دوڑے تو آپ نے لوگوں کو روکا ۔ جب وہ پیشاب سے فارغ ہو چکا تو آپ نے گندگی کی صفائی کرائی اور صحابہ سے فرمایا :

انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین (بخاری)

تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو سختی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے ۔

قدیم زمانہ میں کعبہ کی عمارت ایک بار بارش کی زیادتی سے گر گئی تھی ۔ قریش نے دوبارہ بنایا تو سامان کی کمی کی وجہ سے اصل بنائے ابراہیمی پر نہیں بنایا ، بلکہ چھوٹا کر کے بنایا ۔ آپ چاہتے تھے کہ اس کو دوبارہ بنائے ابراہیم کے مطابق بنوا دیں مگر اس اندیشہ سے کہ کعبہ کی عمارت کے ساتھ جو تقدس شامل ہے اس کی وجہ سے لوگ شاید اس کے انہدام کا تحمل نہ کر سکیں ، آپ اس سے باز رہے ۔ آپ نے ایک بار حضرت عائشہ سے فرمایا :

لولا حداثۃ قومک بالکفر لنقضت البیت ثم لبنیتہ علی اساس ابراھیم

اگر تمہاری قوم نئی نئی کفر سے نہ نکلی ہوتی تو میں بیت اللہ کو توڑ کر پھر سے ابراہیم کی بنیاد کے مطابق بنا دیتا ۔

جس اسلام میں انسان کی رعایت کا یہ حال تھا ، اس اسلام کے علم بردار آج انسان کو متنفر کرنے ہی کا نام اسلام سمجھتے ہیں ۔

تاریخ میو چھتری۔ مجلد
از مولانا حکیم عبدالشکور مرحوم
صفحات ۶۱۴، (قیمت درج نہیں)
پتہ: چودھری لیسین میو ہائی اسکول، نوح، ضلع گوڑگاؤں

کتاب کے مصنف مولانا حکیم عبدالشکور صاحب مرحوم (۱۹۶۱-۱۸۷۶) نے اپنے مقدمہ میں اس کی تالیف کا مقصد پس ماندہ میو قوم کو بیدار کرنا بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

— "میرا یقین ہے کہ وہ قوم جو تاثرات اور انقلابات کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو جاتی ہے، وہ ضرور ایک نہ ایک دن فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔ کسی قوم کا مستقبل اس وقت تک شاندار نہیں بن سکتا جب تک اس کے شاندار ماضی کا نقشہ اس کے سامنے نہ ہو" صفحہ ۷

مصنف نے میوات اور میو قوم کے بارے میں معلومات جمع کرنے کے لئے جو غیر معمولی محنت کی ہے، وہ یقیناً ان کے اخلاص کا ثبوت ہے۔ انھوں نے "پیدائش انسان" کے مسئلہ سے اپنی تحقیق کا آغاز کیا ہے۔ پھر انھوں نے دکھایا ہے کہ "آریہ اقوام عربی الاصل اور آل ابراہیم ہیں" اور یہ کہ "حضرت ابراہیم اور برہماجی دونوں ایک ہیں" اس طرح کی باتیں نہ صرف متنازعہ فیہ ہیں بلکہ کتاب کے موضوع سے خارج بھی ہیں۔ تاہم بحیثیت مجموعی کتاب اپنے موضوع پر قابل قدر ہے۔ جغرافیہ میوات، میو سماج، میواتی زبان و ادب، میوات کے آثار قدیمہ، میووں کے گوت پال، وغیرہ پر ان کی تحقیقات ان لوگوں کے لئے کافی دلچسپی کا باعث ہیں جو میووں کے بارے میں جاننے کا شوق رکھتے ہوں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے جو معلومات جمع کی ہیں، وہ بلاشبہ اس قابل ہیں کہ ان کی داد دی جائے۔

تاریخی حیثیت سے کتاب کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے مقصد تالیف کی حیثیت سے اس کی افادیت کو سمجھنا تبصرہ نگار کے لئے مشکل ہے۔ مؤلف کتاب نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ میو قوم کو اس کا "شاندار ماضی" یاد دلاکر اس کے اندر مستقبل کی تعمیر کا جوش و خروش پیدا کیا جاسکتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ میووں کا وہ شاندار ماضی کیا ہے جس کو یاد دلاکر آپ یہ مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں:

وہ شاندار ماضی یہ ہے کہ ان کے آباؤ اجداد اول روز سے راجاؤں اور حکمرانوں سے جنگ کرتے رہے اور اس بے معنی تصادم کے نتیجہ میں مسلسل برباد ہوتے رہے۔ اس قسم کی تاریخی خوراک اس کے سوا اور کیا کر سکتی ہے کہ قوم کے اندر جنگ جوئی کا ذہن باقی رکھے اور دوبارہ جب اس کے سامنے کوئی ناخوشگوار صورت آئے تو پھر وہ یہی کرے کہ حقیقت پسندانہ انداز سے نمٹنے کے بجائے لڑنے بھڑنے کے لئے تیار ہو جائے۔

مولف کتاب نے صفحہ ۱۳۷ پر "میو قوم کی معرکہ آرائیوں" کا عنوان قائم کیا ہے اور ان معرکہ آرائیوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے جو پچھلے تقریباً ایک ہزار برس سے یہ پس ماندہ قوم جاری رکھے ہوئے ہے۔

میو قوم پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں مسلمان ہوئی۔ اس سے پہلے بھی یہ قوم لڑائی بھڑائی اور لوٹ مار کے لئے مشہور تھی۔ اس کا یہ کردار اسلام کے بعد بھی قائم رہا۔ شہاب الدین غوری، پرتھوی راج چوہان، قطب الدین ایبک، ناصر الدین محمود، غیاث الدین بلبن، بابر، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں، ہر ایک سے اس کا ٹکراؤ جاری رہا۔ بھرت پور اور الور کے راجاؤں سے وہ مڈبھیڑ کرتی رہی۔ اس کے بعد انگریزوں کا دور آیا تو اس زمانہ میں بھی میووں

کی بغاوت اور سرکشی کی وجہ سے انگریزوں سے ان کی لڑائیاں جاری رہیں۔ آخر میں میوؤں کے چودھری محمد یسین خاں (۱۸۹۶ — ۱۹۷۰) کے اس کارنامہ کو بھی مؤلف کتاب نے اہتمام کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ان کی "تحریک الور" نے مہاراجہ سوائی جے سنگھ آف الور کو ریاست کے اقتدار سے محروم کردیا تھا!

مگر سوال یہ ہے کہ لڑائی بھڑائی کے ان ہزار سالہ شان دار کارناموں سے میو قوم کو کیا ملا —— جہالت، بدنظمی، معاشی تباہی، ویران بستیاں، حقیقت پسندانہ فکر سے محرومی، اس قسم کے منفی نتائج کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے جو اس کی لمبی فہرست میں شامل کی جاسکتی ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ میو قوم کو آج ایسی تاریخ میوات کی ضرورت ہے جو ان کے ماضی کا تنقیدی جائزہ لے، نہ کہ انھیں "شان دار قومی کارنامہ" قرار دے کر دوبارہ ان کے اندر وہی مزاج پیدا کر دے جس نے ماضی میں ان کو کچھ نہیں دیا اور نہ آئندہ انھیں اس طرح کچھ مل سکتا ہے۔

وہ شہر کی ایک پُر رونق سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔ لوگ پیدل اور سواریوں پر ادھر سے اُدھر جاتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

"یہ نازک چہرے، یہ خوب صورت جسم، یہ ہنستی ہوئی مورتیں مرنے کے بعد بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دی جائیں گی" یہ سوچ کر بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

اور پھر ایک آہ کے ساتھ اس کی زبان سے وہ الفاظ نکلے جن کو انسانوں کے سوا پوری کائنات نے سنا: "کیا اس سے بڑی کوئی بات ہے جس کے لئے آدمی تڑپے، کیا اس سے بڑی کوئی خبر ہے جس کو بتانے والے دوسروں کو بتائیں"

کیسی عجیب بات ہے۔ آدمی اسی بات سے بے خبر ہے جس کو اسے سب سے زیادہ جاننا چاہئے۔ اسی خبر کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے کوئی نہیں اٹھتا جس کو سب سے زیادہ دوسروں تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔

اپنے معاملہ میں ہوشیار
دوسرے کے معاملہ میں بیوقوف

یوگنڈا کے صدر عیدی امین نے وزیر اعظم مرار جی ڈیسائی کو مبارک باد کا خط بھیجا ہے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی کے نام بھی ایک خط روانہ کیا ہے جس میں اس بات کا شکریہ ادا کیا ہے کہ ان کی حکومت نے ہندوستان اور یوگنڈا کے درمیان اچھے تعلقات قائم رکھے۔

صدر عیدی امین نے اندرا گاندھی کے نام اپنے خط میں لکھا ہے:

I personally support those who have described you as a very intelligent leader, because soon after accepting defeat you and your government lifted at the right time the 21 month state of emergency imposed by yourself and which brought imprisonment without trial. This timely decision by yourself and your government to lift the emergency relieved our minds because it would have been possible for the same emergency regulations to be used against those who have now lost power.

Hindustan Times, March 30, 77

"میں ذاتی طور پر ان لوگوں سے اتفاق کرتا ہوں جن کی رائے یہ ہے کہ آپ نہایت ذہین لیڈر ہیں کیونکہ اپنی شکست تسلیم کرنے کے فوراً بعد آپ نے اور آپ کی حکومت نے نہایت صحیح وقت پر اکیس ماہ کی ایمرجنسی کو ختم کر دیا جس کو آپ نے نافذ کیا تھا اور جس کے تحت لوگوں کو بغیر عدالتی کارروائی کے قید کیا جا سکتا تھا۔ ایمرجنسی کو ختم کرنے کے بارے میں آپ اور آپ کی حکومت کے اس بر وقت اقدام کے بعد ہم نے اطمینان کا سانس لیا، کیونکہ یہ ممکن تھا کہ اسی ایمرجنسی کے قوانین کو نئی حکومت ان لوگوں کے اوپر استعمال کرے جنھوں نے اب اقتدار کھو دیا ہے۔"

اندرا حکومت سے الیکشن کا نتیجہ سامنے آنے سے پہلے ایمرجنسی ہٹانے کے لئے کہا جاتا تھا تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایمرجنسی کے جاری رہنے سے کسی کا کیا نقصان ہے۔ مگر ۲۰ مارچ کی شب کو جب الیکشن کے نتائج کا اعلان ہوا تو اس حکومت کو ایمرجنسی کی حقیقت سمجھنے میں ایک منٹ کی دیر نہیں لگی۔ اس نے راتوں رات میٹنگ کر کے ایمرجنسی کے مکمل خاتمہ کا اعلان کر دیا۔

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے معاملہ میں آدمی کتنا ہوشیار ہوتا ہے اور دوسرے کے معاملہ میں کتنا بے وقوف۔ آج کی دنیا میں جس شخص کا بھی تجربہ کیجئے، تقریباً بلا استثنار آپ پائیں گے کہ وہ اپنے موافق پہلو کو سمجھنے کے لئے انتہائی ذہین ہے۔ اس کے برعکس جب معاملہ دوسرے کے موافق پہلو کو سمجھنے کا ہو تو وہ ایسا بے وقوف بن جاتا ہے، جیسے اس کو کچھ آتا ہی نہیں۔ جیسے کہ وہ اینٹ پتھر ہے نہ کہ انسان۔

ہوشیاری کی یہ قسم آدمی کے اوپر بہت بڑا وبال ہے۔ ایسا کر کے در اصل وہ حاکم حقیقی کے آگے اپنے خلاف خود حجت قائم کر رہا ہے۔ اگر آدمی اپنی باتوں میں بھی بے وقوفی ظاہر کرتا تو شاید وہ خدا کی پکڑ سے بچ جاتا۔ مگر اپنی باتوں میں ہوشیاری اور دوسرے کی باتوں میں بے وقوفی اس کو خدا کی پکڑ سے بچا نہ سکے گی۔ کیونکہ اپنی باتوں میں ہوشیاری دکھا کر وہ ثابت کر چکا ہے کہ دوسرے کی باتوں میں بھی وہ اتنا ہی ذہین اور ہوشیار ہو سکتا تھا۔

دنیا کا نظام اللہ تعالیٰ نے محکم قوانین کے تحت بنایا ہے اور اس کا فیصلہ ہے کہ وہ ان قوانین میں کسی قسم کی تبدیلی قبول نہیں کرے گا۔ (فاطر۔۴۳)

انھیں قوانین الٰہی میں سے ایک قانون یہ ہے کہ اس نے مقرر کر دیا ہے کہ جو لوگ سطحی نعروں اور جذباتی تقریروں پر اپنی قوم کو اٹھائیں گے، ان کی قومی زندگی برساتی جھاڑ جھنکاڑ کی طرح ہوگی۔ وقتی طور پر تو وہ بہت نمایاں دکھائی دیں گے۔ مگر ان کے اندر کوئی پائداری نہیں ہوگی۔ فاتحانہ نعروں پر اٹھنے والے لوگوں کے حصہ میں بالآخر صرف یہ فریاد آئے گی کہ "فلاں نے میرے درخت کو اکھاڑ دیا ہے۔"

اس کے برعکس جو لوگ گہری جڑوں اور دور رس منصوبوں پر اپنی قومی تعمیر کریں گے، ان کو مضبوط درختوں کی سی پائداری حاصل ہوگی، جس کو کوئی اکھاڑ نہیں سکتا اور جو صدیوں تک انسانیت کو اپنا سایہ اور پھل دیتے رہتے ہیں۔

(ابراہیم : ۲۴-۲۷)

اگر آپ دنیا میں کوئی حقیقی مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے حقیقی بنیادوں پر اپنی تعمیر کی منصوبہ بندی کیجئے۔ اس صحیح مقام کو دریافت کیجئے جہاں سے صحیح اور پائدار جدوجہد کا آغاز ہوتا ہے۔ اگر آپ نے اپنے آغاز کو پالیا تو آپ اپنے اختتام کو بھی پالیں گے، کیونکہ صحیح آغاز ہی کا دوسرا نام صحیح اختتام ہے۔

فضائی جاسوسی میں جو ہوائی جہاز استعمال ہوتے ہیں ان میں بہت نازک قسم کے کیمرے لگے رہتے ہیں۔ انتہائی بلندی پر اڑان کرنے کے باوجود ان کی تصویریں اتنی مکمل ہوتی ہیں کہ آدمی کے چہرے پر جذبات کا اتار چڑھاؤ تک دیکھا جا سکتا ہے۔ تاہم یہ آواز سے تیز رفتار ہوائی جہاز عموماً دشمن کا نشانہ بننے سے بچ جاتے ہیں۔ اپنی آواز سے آگے پرواز کرنے کی وجہ سے ان کا پتہ زمین پر کھڑے ہوئے لوگوں کو اس وقت ملتا ہے جبکہ ہوائی جہاز ان کے اوپر سے گزر کر بہت دور پہنچ گیا ہو —— گویا زندگی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ اپنا سفر اس طرح طے کریں کہ آپ کا حریف آپ کی کارگزاریوں سے صرف اس وقت واقف ہو جب کہ آپ اپنا کام پورا کر چکے ہوں۔

ایک نفسیاتی کمزوری جو شک اور انکار میں مبتلا کردیتی ہے

قرآن میں یہود کا کردار بتاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ نبی آخرالزماں کے ظہور سے پہلے وہ آپ کا انتظار کررہے تھے۔ حق کے مخالفین کا غلبہ دیکھ کر کہتے تھے کہ افسوس اہل حق کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں۔ دعا کرتے تھے کہ خدایا، دورِ آخر میں جو مصلح اعظم آنے والا ہے، اس کو بھیج دے تاکہ اس کے ذریعہ سے اہل حق کو طاقت ملے اور دنیا میں دوبارہ تیرے سچے دین کا بول بالا ہو۔ مگر جب نبی عربی کی شکل میں وہ مصلح اعظم آیا تو انھوں نے آپ کا انکار کردیا۔ حتیٰ کہ آپ کے مخالف ہو کر آپ کے دشمنوں سے جا ملے۔ (بقرہ۔ ۸۹)

ابن اسحاق نے ابن عباس کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ غزوۂ احزاب سے پہلے قریش، غطفان، بنو قریظہ، بنو نضیر نے آپ کے خلاف محاذ قائم کرلیا تھا۔ اس سلسلے میں قریش کو ابھارنے کے لئے یہود مدینہ کے سرداروں کا ایک وفد مکہ پہنچا۔ اس میں حیی بن اخطب، سلام بن ابی حقیق، ابو رافع، ربیع بن ابی حقیق، ابو عمارہ، ہودۃ بن قیس شامل تھے۔ یہ سب لوگ بنو نضیر سے تعلق رکھتے تھے۔ جب وہ مکہ پہنچے تو قریش نے کہا: ھولاء احبار الیھود و اھل العلم بالکتاب الاولیٰ فاسئلوا ھم ادیننا خیر ام دین محمد (یہ یہود کے علما رہیں اور قدیم آسمانی کتابوں کے جاننے والے ہیں ان سے پوچھو کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد کا دین)۔ علماء یہود نے اس سوال کے جواب میں کہا:

دینکم خیر من دینہ وانتم اھدیٰ منہ وممن تبعہ

تمھارا دین ان کے دین سے بہتر ہے اور تم ان سے اور ان کے پیرووں سے زیادہ ہدایت یاب ہو (نساء۔ ۵۱)

بغوی نے لکھا ہے کہ جب ابو سفیان نے کعب سے اس کی بابت پوچھا۔ تو کعب نے کہا کہ مجھ سے اپنا دین بیان کرو

ابو سفیان نے کہا:

نحن ننحر للحجیج الکوماء ونسقیھم الماء ونقری الضیف ونفک العانی ونصل الرحم ونعمر بیت ربنا ونطوف بہ ونحن اھل الحرم ومحمد فارق دین آبائہ و قطع الرحم وفارق الحرم ودیننا القدیم ودین محمد الحدیث

ہم حاجیوں کے لئے بہترین جانور ذبح کرتے ہیں۔ ان کو پانی پلاتے ہیں، مہمانوں کی عزت کرتے ہیں۔ قیدیوں کو چھڑاتے ہیں، رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ بیت اللہ کی تعمیر کرتے ہیں، اس کا طواف کرتے ہیں۔ ہم اہل حرم ہیں اور محمد نے باپ دادا کے دین کو ترک کردیا اور قطع رحمی کی اور حرم کو چھوڑ دیا۔ ہمارا دین قدیم ہے، محمد کا دین نیا ہے۔

یہ سن کر کعب نے کہا:

واللہ انتم اھدیٰ سبیلا مما علیہ محمد:

خدا کی قسم محمد جس راستہ پر ہیں، اس سے تمھارا راستہ بہتر ہے

یہود کے جس کردار کا ذکر قرآن میں ہے، وہ محض ایک تاریخی واقعہ نہیں، بلکہ ہر دور میں ایسا ہو سکتا ہے۔ ہر زمانہ میں ایسے لوگ پائے جاسکتے ہیں جو اس قسم کی نفسیاتی کمزوری کا ثبوت دیں جو یہود سے ظاہر ہوئی تھی۔ مزید یہ کہ ایسے لوگ جب خود اپنی دعاؤں اور تمناؤں کے خلاف ایک دعوت حق کا انکار کر رہے ہوں گے تو ان کے پاس اپنے رویہ کے درست ہونے کی بہت معقول توجیہہ موجود ہوگی ——

ہم اسلاف کے پیرو ہیں، ہم دینی اداروں کے محافظ ہیں۔ ہم

خدمت خلق کر رہے ہیں، ہم اتحاد ملت کے علم بردار ہیں وغیرہ

اسی کمزوری کی ایک صورت وہ ہے جس کا ذکر قرآن کی سورہ نمبر ۴۰ میں کیا گیا ہے۔

فرعون اور موسیٰؑ کی کش مکش جب آخری مرحلہ میں پہنچ گئی تو فرعون نے ارادہ کیا کہ آنجناب کو قتل کر دے۔ اس وقت فرعون کے دربار کا ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ حضرت موسیٰؑ کی دعوت کو حق پا کر وہ اندر سے ایمان لا چکا تھا مگر ابھی تک اپنے ایمان کو ظاہر نہیں کیا تھا۔ اب حضرت موسیٰؑ کے قتل کی بات ہونے لگی تو وہ کھل کر سامنے آگیا اور آپ کی حمایت میں ایک مفصل تقریر کی۔ اس موقع پر اس رجل مومن نے جو کچھ کہا، اس میں سے ایک یہ بھی تھا کہ —— موسیٰؑ سے پہلے تمھارے ملک مصر میں یوسفؑ بھیجے گئے۔ انھوں نے کھلی کھلی نشانیاں دکھا کر ثابت کیا کہ وہ بلاشبہ خدا کے رسول ہیں۔ بادشاہ کے خواب کی صحیح تعبیر دے کر تم کو سات سالہ قحط سے بچایا، ایسی برکت اور انصاف والی حکومت قائم کی جو تم نے کبھی اپنے ملک میں نہیں دیکھی تھی، ان کا علم، ان کا اخلاق، ان کی شخصیت تمھارے یہاں ضرب المثل بن گئی۔ تاہم ان کی زندگی میں تم ان پر ایمان نہ لائے۔ یہاں تک کہ جب خدا نے ان کو اٹھا لیا تو تم کہنے لگے کہ "اب ان کے بعد خدا ایسا کوئی رسول ہرگز نہ بھیجے گا" اسی طرح اللہ ان سب کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے جو حد سے نکل جانے والے اور شبہات میں گرفتار رہنے والے ہیں۔ وہ جو اللہ کی باتوں میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی سند ہو، یہ اللہ اور اہل ایمان کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے۔ اس طرح اللہ ہر متکبر اور سرکش کے دل پر مہر کر دیتا ہے"

قرآن کا یہ ٹکڑا ایک اعتبار سے حضرت موسیٰ کی دعوتی تاریخ کا ایک صفحہ ہے اور دوسرے اعتبار سے وہ انسان کی ایک کمزوری کو بتاتا ہے جو اکثر انسانوں کے لئے دعوت حق کو قبول کرنے میں مانع بن جاتی ہے۔ یہ ہے معاصرت کا فتنہ۔

وہ لوگ جو عزت، دولت، آرام، سب چیز بس اسی دنیا میں حاصل کر لینا چاہتے ہیں، ان کے اندر دھیرے دھیرے ایک نفسیاتی پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر چاہنے لگتے ہیں کہ عزت اور اقتدار سب کا سب انھیں کو مل جائے۔ اس کا فطری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں کسی کو اپنے سے بڑھا ہوا دیکھنا انھیں گوارا نہیں ہوتا۔ انھیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کے لئے اگر انھوں نے مان لیا کہ وہ حق پر ہے یا اس کو فکری و علمی برتری حاصل ہے تو ان کی اپنی حیثیت گھٹ جائے گی۔ یہ چیزیں انھیں اپنے معاصرین کے لئے کوئی کمال تسلیم کرنے میں مانع رہتی ہے۔ وہ گزرے ہوئے لوگوں کی بڑائی کے آسانی سے معترف ہو جاتے ہیں مگر زندہ لوگوں کی بڑائی ماننے میں انھیں اپنی بڑائی کا مینار گرتا ہوا دکھائی دینے لگتا ہے۔ اپنے ہم زمانہ لوگوں کو چھوٹا دکھانے کے لئے کبھی کہتے ہیں "اب بھلا ویسے لوگ کہاں پیدا ہوں گے"، اگر کوئی کھلی ہوئی نشانی سامنے آجاتی ہے تو لایعنی قسم کی بحثیں چھیڑ کر اس کو غلط یا حقیر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی نفسیاتی کمزوری انھیں ایک دائمی شبہ میں مبتلا رکھتی ہے، وہ اس گمان کے سہارے اپنا عزت کا محل قائم رکھتے ہیں کہ پچھلے بزرگوں کو تو ہم مانتے ہیں۔ یہ زندہ شخص ایسا ہے ہی نہیں، ورنہ ہم اس کو بھی مان لیتے"۔ ان کا متکبرانہ مزاج اور ان کی سرکش طبیعت ان کے لئے ایک قسم کی مہر بن جاتی ہے جو کسی معقول بات کو ان کے دل و دماغ میں داخل ہی نہیں ہونے دیتی۔ کھلی کھلی علامتوں کو دیکھ کر بھی وہ اندھے بنے رہتے ہیں یہاں تک کہ اسی حال میں مرجاتے ہیں۔ ●

صلاۃ التسبیح

کیفیت سے بھری ہوئی عبادت کا نام ہے نہ کہ کسی لفظ کو تین سو بار دہرانے کا

عبداللہ بن مبارک کے استاد عبدالعزیز ابن ابی رواد کا قول ہے:

"جو شخص جنت کا ارادہ کرے اس کو ضروری ہے کہ صلاۃ التسبیح کو مضبوط پکڑے"، تبع تابعین کے دور سے لے کر اب تک کثرت سے لوگ اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص زندگی میں ایک بار بھی اگر صلاۃ التسبیح پڑھ لے تو اس کی نجات ہو جائے گی۔

یہ عقیدہ بعض روایتوں سے بنا ہے مثلاً ابو داؤد، ابن ماجہ، بیہقی وغیرہ نے یہ روایت نقل کی ہے:

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال للعباس بن عبد المطلب، یا عباس یا عماہ الا اعطیک الا امنحک الا اخبرک الا افعل بک عشر خصال اذا انت فعلت ذلک غفر اللہ لک ذنبک اولہ وآخرہ قدیمہ وحدیثہ خطأہ وعمدہ صغیرہ وکبیرہ سرہ وعلانیتہ، ان تصلی اربع رکعات ۔ ۔ ۔

حضرت عباس رضؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عباسؓ بن مطلب سے کہا، اے عباس رضؓ، اے میرے چچا، کیا میں تمھیں ایک عطیہ دوں، ایک بخشش کروں، ایک بات کی خبر دوں، کیا میں تمھیں دس خصلتوں کا مالک بناؤں۔ جب تم اس کو کرو گے تو خدا تمھارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ پہلے اور پچھلے، نئے اور پرانے، غلطی سے کیے ہوئے اور جان کر کیے ہوئے، چھوٹے اور بڑے، پوشیدہ اور علانیہ، وہ کام یہ ہے کہ تم چار رکعت نماز (صلاۃ التسبیح) پڑھو۔

اس کے بعد روایت میں اس مخصوص نماز کی ترکیب بتائی گئی ہے۔ وہ یہ کہ الحمد اور سورہ پڑھنے کے بعد پندرہ مرتبہ چاروں کلمے سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر پڑھے۔ پھر رکوع میں سبحان ربی العظیم کے بعد انھیں کلمات کو دس مرتبہ پڑھے۔ پھر رکوع سے کھڑے ہو کر سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولک الحمد کے بعد ان کو دس مرتبہ پڑھے۔ پھر دونوں سجدوں میں سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد ان کو دس دس مرتبہ پڑھے۔ پھر دونوں سجدوں کے درمیان جب بیٹھے تو ان کو دس مرتبہ پڑھے۔ پھر جب دوسرے سجدہ سے اللہ اکبر کہتا ہوا اٹھے تو کھڑا ہونے کے بجائے بیٹھ جائے اور اس حالت میں دس مرتبہ ان کلمات کو پڑھ کر اللہ اکبر کہے بغیر کھڑا ہو جائے۔ دو رکعت کے بعد، اسی طرح چوتھی رکعت کے بعد ان کلموں کو دس دس مرتبہ پڑھے، پھر التحیات پڑھے۔ اس طرح تسبیح الٰہی کے یہ کلمات ان چار رکعتوں میں تین سو بار ادا کیے جاتے ہیں۔

اسی طرح کسی قدر فرق کے ساتھ ایک اور طریقہ بھی بتایا گیا ہے

۱۔ صلاۃ التسبیح کے سلسلے میں سب سے پہلی قابل لحاظ بات یہ ہے کہ بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا ہے جو حدیث کی سب سے زیادہ مستند کتابیں سمجھی

جاتی ہیں۔ اگر صحابہ کے زمانہ میں اس کا رواج ہوتا تو ضرور اس کو صحیحین کے اندر جگہ پانا چاہئے تھا۔ اس وجہ سے بعض علمار کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ صلاۃ التسبیح ان نئے طریقوں میں سے ہے جو تبع تابعین کے دور میں رائج ہوئے۔ حتی کہ ذہبی اور ابن جوزی نے صلاۃ التسبیح کی روایتوں کو موضوع قرار دیا ہے۔ اس کے رواۃ میں احمد بن داؤد کا نام ہے جس پر کذب کا الزام ہے۔ اسی طرح ابن سمعان کا نام ہے جس کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

۲۔ علمار کی ایک تعداد نے صلاۃ التسبیح کی حدیث کا اس بنا پر انکار کیا ہے کہ اتنا زیادہ ثواب صرف چار رکعت پر ناقابل فہم ہے

۳۔ اس حدیث کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں، ان میں کلام نبوت کی شان نظر نہیں آتی۔ کوئی بھی شخص جس کی نظر احادیث رسول پر ہو، اس کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ آپ کا کلام عام طور پر اس انداز کا نہیں ہوتا جیسا کہ صلاۃ التسبیح کی روایتوں میں دکھائی دیتا ہے۔

راقم الحروف کی تحقیق اس سلسلے میں یہ ہے کہ صلاۃ التسبیح بذات خود بے اصل نہیں۔ کیونکہ خود قرآن میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر ملتا ہے۔ البتہ اس کی وہ شکل یقینی طور پر بے اصل ہے جس کو نجات کا طلسماتی ذریعہ سمجھ کر عوام اختیار کئے ہوئے ہیں۔ قرآن کی صراحت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد بار حکم دیا گیا کہ نماز کی تسبیح کرو (ق۔ ۴۰) مگر کسی بھی صحیح روایت سے یہ ثابت

ایک عرب کے پاس جب کوئی مہمان آتا ہے اور وہ اس کے سامنے کھانے پینے کی کچھ چیزیں رکھتا ہے تو "کُلُوْا" نہیں کہتا بلکہ "تَفَضَّلُوْا" کہہ کر کھانا شروع کرنے کی درخواست کرتا ہے۔ اسی طرح ہندستان میں مہمان کے سامنے کھانا رکھنے کے بعد "کھائیے" نہیں کہتے بلکہ "برکت دیجئے" اور "بخشش کیجئے" کے الفاظ بولتے ہیں۔ اس کا مقصد صرف مہمان کی عزت و تکریم ہے۔ ایسا نہیں کہ جب "کھائیے" کہا جائے تو آدمی عام طریقے سے بیٹھ کر کھائے اور جب "تَفَضَّلُوْا" یا "برکت دیجئے" کہا جائے تو پہلے وہ تین سو بار لفظ "طعام" کا ورد کرے، اس کے بعد کسی خاص انوکھی ہیئت سے بیٹھ کر ایک خاص ڈھنگ سے کھانا شروع کرے اور خاص ڈھنگ سے اس کو ختم کرے۔

کلام کا یہ انداز جو تمام زبانوں میں رائج ہے، اسی پر صلاۃ التسبیح کے معاملہ کو سمجھا جا سکتا ہے۔ قرآن میں کہیں کہا گیا ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اور کہیں کہا گیا ہے سَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْکَارِ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اقامت صلوٰۃ سے کوئی اور نماز مراد ہے اور تسبیح صلوٰۃ سے کوئی دوسری نماز۔ دونوں لفظوں سے وہی عام نماز مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے مطلوب ہے اور جو ساری عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پڑھتے رہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کبھی حکم کے پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے "نماز ادا کرو" کہا جاتا ہے اور کبھی اس کی حقیقت و معنویت کے پہلو پر زور دینے کے لئے "نماز کی تسبیح کرو" کہہ دیا جاتا ہے۔ یعنی وہ نماز پڑھو جس میں روح صلوٰۃ پوری طرح اتر آئی ہو۔ جو پورے معنوں میں خدا کی تسبیح بن گئی ہو جو کہ نماز کا اصل مقصود ہے۔

نہیں کہ آپ نے کبھی اس قسم کی "چار رکعت" نماز پڑھی ہو جو عام طور پر صلاۃ التسبیح کے نام سے مشہور ہے۔
یہی واقعہ یہ سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ صلوۃ التسبیح سے مراد کوئی علیحدہ طریقہ سے ادا کی ہوئی نماز نہیں بلکہ وہی عام نماز ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ پڑھا کرتے تھے۔ یہ ناممکن ہے کہ نبی کو خدا کی طرف سے ایک حکم دیا جائے اور وہ اس کی تعمیل نہ کرے۔ جب آپ کی زندگی میں "صلاۃ تسبیح" کے نام سے کسی علیحدہ نماز کا ثبوت نہیں ملتا تو لازماً ماننا پڑے گا کہ آپ کی وہی نماز آپ کی صلاۃ التسبیح تھی جو روزانہ آپ مسجد میں اور گھر کے اندر ادا فرماتے تھے اور ساری عمر ادا فرماتے رہے۔
تسبیح کی نماز (صلاۃ التسبیح) کوئی پُر اسرار اور انوکھی چیز نہیں۔ ہر نماز صلاۃ التسبیح ہے بشرطیکہ وہ حقیقی کیفیات کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔ یہ اسی قسم کا ایک معاملہ ہے جس کا ذکر دوسرے اعمال شریعت کے سلسلہ میں کیا گیا ہے۔ شریعت کے جو اعمال ہیں ان میں سے ہر ایک کی ایک ظاہری شکل ہے۔ مگر یہ اعمال اصلاً اپنے ظاہر کے اعتبار سے مطلوب نہیں ہیں بلکہ اپنی باطنی کیفیات کے اعتبار سے مطلوب ہیں۔ کوئی عمل اگر صرف ظاہری ڈھانچہ کی تکمیل کی حیثیت سے ادا کیا جائے تو اس کی کوئی قیمت خدا کی نظر میں نہیں ہوتی۔ مگر اسی عمل کے اندر جب خوف خدا اور فکر آخرت کی روح بھر جائے تو وہ بالکل دوسری چیز بن جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی پسندیدہ ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً ہر عمل کے لئے اس قسم کے الفاظ آئے ہیں، مثلاً حج مبرور اور صوم احتساب وغیرہ۔ حج مبرور یا صوم احتساب کسی پُر اسرار طریقہ پر کئے ہوئے حج یا روزہ کا نام نہیں ہے۔ ہر وہ حج جو صحیح ہو حج مبرور ہے۔ اسی طرح ہر وہ روزہ جو حقیقی ہو صوم احتساب ہے۔
حقیقت اور کیفیت سے بھری ہوئی نماز کے لئے صرف صلاۃ التسبیح کا لفظ ہی نہیں آیا ہے بلکہ اس کے لئے قرآن میں اور بھی کئی الفاظ آئے ہیں:

صلاۃ وسطیٰ (بقرہ — ۲۳۸)
صلاۃ خشوع (مومنون — ۲)
صلاۃ انابت (روم — ۳۱)
صلاۃ ذکر (طٰہٰ — ۱۴)
صلاۃ تسبیح (نور — ۳۶)

تسبیح کے معنی عربی زبان میں پاکی بیان کرنے کے ہیں۔ خدا کے سامنے اس کی بڑائی اور اس کی نعمتوں کے اظہار کو بتانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کو "کرنا"، یا "پڑھنا" جیسے الفاظ میں ذکر کیا جائے، دوسرے یہ کہ اس کو تسبیح کے لفظ سے تعبیر کیا جائے۔ اردو میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ "خدا کا نام لو" کے بجائے "خدا کے نام کی پاکی بیان کرو" کے الفاظ میں ظاہر کرنا۔ اسی دوسرے طریقے کا نام تسبیح ہے۔
اگر صلاۃ وسطیٰ کا یہ مطلب نہیں کہ جب نماز پڑھو تو فلاں ترکیب سے مختلف رکعتوں میں اتنے سو بار "وسطیٰ وسطیٰ" کہو یا صلاۃ خشوع اور صلاۃ انابت سے یہ مراد نہیں کہ وقت خاص میں ایک ایسی نماز پڑھو جس میں خشوع اور انابت کے الفاظ کی اتنے سو بار تکرار کی گئی ہو تو صلاۃ تسبیح کا مطلب یہ کیسے ہو جائے گا کہ ایسی نماز پڑھو جس میں تسبیح کے کلمات متقررہ ترکیب کے تحت تین سو بار دہرائے گئے ہوں۔

نماز اپنی حقیقت کے اعتبار سے تمام تر تسبیح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں "صلّوا" (نماز پڑھو) بہت کم کہا گیا ہے۔ اس کے بجائے زیادہ تر اَقِمِ الصَّلٰوۃَ (نماز قائم

کرو) یا سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (اللہ کے نام کی پاکی بیان
کرو) جیسے لفظوں میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ گویا صلاۃ
تسبیح کسی علیحدہ نماز کا نام نہیں ہے۔ بلکہ ہر اس نماز کا
نام ہے جس میں نماز کی حقیقت پوری طرح مجسّم ہو گئی ہو۔
جب کسی نمازی کو یہ توفیق ملے کہ اس کا وجود سراپا اللہ
کی عظمت و کبریائی کے تصور میں ڈھل جائے۔ جب اس
کی نماز قرآن کے لفظوں میں صلوٰۃ سہو (ماعون) یا صلاۃ
کسل (نساء) نہ ہو بلکہ ہمہ تن ذکر اور انابت کی نماز
بن جائے۔ تو اسی کا نام صلاۃ التسبیح ہے۔

صلاۃ تسبیح کی مروجہ شکل دراصل ایک کیفی حقیقت
کو کمیاتی اصطلاحوں میں بیان کرنے کی کوشش ہے۔ یہ
صحیح ہے کہ عوام کے لئے قابل فہم بنانے کی یہ آسان تدبیر ہے۔
مگر اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ کیفیت کو کمیاتی زبان
میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً دینی کیفیات کو کمیاتی
الفاظ میں مقید کرنے کی کوشش تو بدعت بھی ہے جو خدا
اور رسول کے نزدیک قطعاً مقبول نہیں۔

صلاۃ تسبیح جس کیفی نماز کا نام ہے، اس کو
لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم اشاراتی طور پر
کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہ نماز ہے جب کہ بندے کے اوپر
خدا کی عظمت و ہیبت کا شدید غلبہ ہوتا ہے۔ نماز میں قرآن
کی تلاوت اور تسبیح و دعا کے کلمات اس کے لئے محض کلمات
نہیں رہتے بلکہ براہ راست خدا سے عرض و معروض بن
جاتے ہیں۔ بنیادی ڈھانچہ کے اعتبار سے اگرچہ اس
وقت بھی آدمی مقررہ نماز ہی پڑھ رہا ہوتا ہے، مگر خدا
سے حضوری کا غلبہ اور کیفیات کا امنڈتا ہوا سیلاب ساری
رسمیات کو توڑ دیتا ہے۔ اس وقت ایک طرف خدا اپنے تمام
جلال و جبروت کے ساتھ اس کے سامنے آجاتا ہے، اور
دوسری طرف بندہ اپنے عجز کا سارا سرمایہ لئے ہوئے
اپنے آپ کو اس طرح اس کے آگے ڈال دیتا ہے جہاں
زمان و مکان کی تمام قیود ختم ہو جاتی ہیں۔ الفاظ اور
ڈھانچے کی تمام پابندیاں اضافی معلوم ہونے لگتی ہیں۔
انسان موجودہ دنیا میں رہتے ہوئے ایک اور دنیا میں
پہنچ جاتا ہے۔ وہ بندہ رہتے ہوئے رب العالمین سے
جا ملتا ہے۔ وہ اس وقت تسبیح خواں نہیں ہوتا بلکہ خود
سراپا تسبیح بن جاتا ہے۔ اس کا قیام و قعود اور اس کا
رکوع و سجدہ محض جسمانی عمل نہیں رہتا۔ بلکہ اپنے
سارے وجود کو خدا کی ہستی میں گم کر دینے کے ہم معنی ہوتا
ہے۔ یہ وہ لمحہ ہے جب کہ بندگی اور خدائی کی سرحدیں
اتنی قریب آجاتی ہیں گویا قیامت سے پہلے قیامت آگئی ہو۔
گویا آخرت سے پہلے بندے نے خدا کو دیکھ لیا ہو۔

صلاۃ التسبیح پوری زندگی کا نذرانہ ہے، نہ کہ
چار رکعت نماز کا ایک وقتی کرشمہ۔ یہ نماز اس طرح نہیں
پڑھی جاتی کہ آدمی کسی وقت "میں نیت کرتا ہوں چار
رکعت صلاۃ التسبیح کی" کے الفاظ بول کر قبلہ رخ کھڑا
ہو جائے۔ یہ نماز کسی بندۂ خدا کے اندر سے اس وقت
ابلتی ہے جب اس کا وجود ہمہ تن خدا کے خوف اور فکر آخرت
میں ڈھل گیا ہو، جب اس نے اپنے آپ کو اپنے رب کی
رضا کے لئے ملیا میٹ کر ڈالا ہو۔ صلاۃ التسبیح کو ادا کرنے
کے لئے خاک و خون کے دریا سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ نہ
صرف نماز کی تصغیر ہوگی بلکہ نعوذ باللہ خدائے ذوالجلال
کی عظمتوں کا بھی کمتر اندازہ ہوگا اگر اس کو مقررہ کلمات
کی چند سو بار تکرار کے ہم معنی سمجھ لیا جائے ـــ عبادت
بارگاہ الٰہی میں بندے کا ہدیہ ہے۔ اس کی وہی تعبیر صحیح
ہو سکتی ہے جو اللہ العالمین کی عظمت و کمال کے شایانِ شان ہو۔

آٹھ سال پہلے کی ایک تحریر

الرسالہ کے زیر نظر شمارہ میں صفحہ اول پر جو مضمون درج ہے، وہ پچھلے نومبر ۱۹۷۶ میں لکھا گیا تھا۔ مگر جب وہ ہمارے پرنٹر پبلشر کے سامنے آیا تو انھوں نے اس کو چھاپنے کی رائے نہ دی۔ انھوں نے کہا: "سنسر شپ کے ذمہ دار اس کو اندرا گاندھی کے خلاف سمجھیں گے اور ہماری شامت آجائے گی"۔ مگر اس تحریر میں جو بات چھ ماہ پہلے لکھی گئی تھی، وہ آج واقعہ بن چکی ہے۔

سنسر شپ اور ایمرجنسی کے نفاذ سے بھی تقریباً ایک سال پہلے کی بات ہے۔ راقم الحروف نے اپنے دوست شری داس جیون ایم۔ اے (دہلی) کے سامنے سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی کی سیاست پر کچھ تنقید کی۔ وہ فوراً بولے:

"ارے صاحب، اندرا جی کو کچھ نہ کہیے، ہم ان کو درگا دیوی کے روپ میں دیکھتے ہیں"

ابھی تھوڑے دنوں پہلے تک یہ حال تھا کہ لوگوں کو یہ بات ناممکن سی نظر آتی تھی کہ اس ملک سے اندرا گاندھی کا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ مگر خدا کا قانون جب ظاہر ہوتا ہے تو وہ کسی کے ساتھ امتیاز نہیں کرتا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے:

لن یفلح قوم ولو امرأۃ

وہ قوم فلاح نہیں پا سکتی جو عورت کو اپنا حکمراں بنائے

اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے راقم الحروف نے ۸ سال پہلے ہفت روزہ الجمعیۃ (۸ اگست ۱۹۶۹) میں ایک مضمون شائع کیا تھا۔ اس میں کہا گیا تھا:

"جب بھی عورتوں کو مطلق اختیار دیا گیا، انھوں نے ریاست اور قوم کے اندر تباہی برپا کی ہے۔ تاریخ میں بہت سے واقعات ہیں جو (لارڈ ایکٹن کے) اس مقولہ کی تصدیق کرتے ہیں کہ "اقتدار بگاڑتا ہے اور کامل اقتدار بالکل بگاڑ دیتا ہے"۔ یہ کامل اقتدار اگر عورتوں کو مل جائے تو

جب ــــ خیمہ

شریمتی اندرا گاندھی کی انتخابی شکست میں لوگوں کو صرف سیاست کا منظر نظر آرہا ہے۔ لیکن اگر دیکھنے والی آنکھیں ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ سے لوگوں کو قیامت کا منظر دکھا دیا ہے۔

الہ آباد ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس جے۔ ایم۔ ایل سنہا نے ۱۲ جون ۱۹۷۵ کو ایک فیصلہ دیا جس میں سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی کے الکشن (۱۹۷۱) کو ناجائز قرار دیا گیا تھا۔ مگر اندرا گاندھی کی اولوالعزم طبیعت نے ہار نہیں مانی۔ انھوں نے اپنے عہدہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۲۵ جون ۱۹۷۵ کی رات کو ایمرجنسی لاگو کر دی۔

اب سارے ملک میں ایک نیا عمل شروع کر دیا گیا۔ تمام ناپسندیدہ افراد جیلوں میں بند کر دیے گئے۔ مخالف جماعتوں کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ پریس پر سنسر قائم کر دیا گیا۔ ہر قسم کے اشاعتی ذرائع کو مکمل طور پر سرکاری پروپیگنڈے کے لئے وقف کر دیا گیا۔ عدالت کو ایک آزاد ادارہ کی حیثیت سے ختم کر دیا گیا۔ دستور میں ترمیمیں کرکے اس کو مکمل طور پر اپنے موافق بنا لیا گیا۔ ایسے قوانین جاری

اکھاڑ دیے جائیں گے

کئے گئے جن کے تحت حکومت کسی بھی شخص کو جرم بتائے بغیر گرفتار کر سکتی تھی اور نامعلوم مدت تک کے لئے اس کو جیل میں محبوس رکھ سکتی تھی۔ اپنی پوزیشن کو یہاں تک محفوظ کیا گیا کہ دستور میں چالیسویں ترمیم کے ذریعے طے کر دیا گیا کہ۔ وزیر اعظم اپنے کسی بھی عمل کے لئے کسی بھی ملکی عدالت میں جواب دہ نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ حکومتی عہدہ سے الگ ہونے کے بعد بھی نہیں۔ اس طرح کی بے شمار تدبیروں کے ذریعہ سابق وزیر اعظم نے ملک میں اپنی پوزیشن کو اتنا زیادہ مضبوط کر لیا جتنا شاید پوری تاریخ میں کبھی کسی حکمراں نے نہیں کیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کو یہ اعلان کرنے کی جرأت ہوئی کہ "ایمرجنسی سے پہلے والے حالات اب کبھی واپس نہیں آئیں گے" ان کو یقین تھا کہ نہ صرف وہ آخر تک ملک کے اقتدار پر قابض رہیں گی بلکہ ان کے بعد ان کا خاندان اس کا وارث بنتا رہے گا۔

مگر چھٹے عام الکشن نے ثابت کیا کہ تمام پیش بندیوں کے باوجود آخری عدالت کا فیصلہ ابھی باقی تھا۔ یہ ملک کے عوام کی عدالت تھی۔ مارچ ۱۹۷۷ء میں سابق وزیر اعظم کا مقدمہ دیس کی جنتا کے سامنے آیا۔ اور اس کے ایک فیصلہ نے اچانک سارے استحکامات کو اس طرح ڈھا دیا جیسے کہ وہ ریت کی دیوار سے بھی زیادہ بے حقیقت تھے۔ نہرو خاندان کی پچاس سالہ عظمت کا وارث صرف ایک دن میں بے یار و مددگار ہو کر رہ گیا۔

یہ واقعہ آخرت میں ہونے والی عدالت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ دنیا میں آدمی اپنی پوزیشن کو مستحکم کرنے کے لئے دلائل کے پہاڑ کھڑے کرتا ہے۔ وہ دولت و عزت اور جاہ و منصب کے قلعے تعمیر کرتا ہے۔ اقتصادی ذرائع پر قبضہ کر کے اپنے مستقبل کو محفوظ کرتا ہے۔ اپنے گرد بڑی بڑی عمارتیں بنا کر سمجھتا ہے کہ اس نے اپنے بچاؤ کا آخری انتظام کر لیا ہے۔ مگر جب قیامت آئے گی تو سارے مضبوط خیمے اکھڑ جائیں گے۔ انسان اچانک پائے گا کہ وہ سب سے بڑی عدالت کے سامنے بالکل بے بس کھڑا ہوا ہے۔

زندگی کی سب سے زیادہ سنگین حقیقت یہ ہے کہ سارے انسان خدا کے بندے ہیں۔ ہر ایک کو بہر حال ایک دن خدا کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ عقلمند وہ ہے جو اس آنے والے دن کی تیاری میں اپنے آپ کو لگا دے۔

اکثر اوقات وہ پوری قوم کے بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب میں بھی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی عورت کو ایک ملک کا اعلیٰ ترین عہدہ سونپا جائے۔

امریکہ میں جہاں سمجھا جاتا ہے کہ عورتوں کو بہت زیادہ برتری حاصل ہے، کسی عورت کو کبھی سکریٹری آف اسٹیٹ نہیں بنایا گیا۔ یہ غالباً امریکہ کے مردوں اور عورتوں کے لئے توہین کی بات ہوگی کہ ایک عورت کو امریکہ کا پریسیڈنٹ بنایا جائے۔ فرانس میں جہاں عورتوں کا کافی اثر رہا ہے کوئی عورت کبھی وزیر اعظم نہیں بنائی گئی۔ ڈیگال کیبنٹ میں صرف ایک عورت تھی جو سماجی امور کے محکمہ میں منسٹر آف اسٹیٹ تھی۔ برطانی کیبنٹ میں مسز باربرا کیسل کو ایک اہم عہدہ دیا گیا۔ مگر یورپ اور امریکہ میں عورتوں کو عہدہ دینے

کی یہ آخری حد تھی ۔

مشرقی یورپ کے کمیونسٹ ممالک میں اناپوکر کی صفائی کے بعد جو کسی زمانہ میں رومانیہ کی وزیر خارجہ تھی، کوئی دوسری عورت ایسے عہدہ پر نہیں بٹھائی گئی جو اختیار کا عہدہ ہو۔ سوویت روس میں صرف مٹھی بھر عورتیں اوپر کی سطح پر ماتحت عہدوں پر فائز ہیں۔ ممی کلوٹی کے ریٹائر ہونے کے بعد سوویت حکومت نے کوئی دوسری خاتون سفیر مقرر نہیں کی ۔

یہ بے حد حیرت انگیز بات ہے کہ ہندستان میں خاص طور پر آزادی کے بعد کے ہندستان میں، عورتیں بڑے بڑے ریاستی عہدوں پر فائز رہی ہیں ۔ اور اب تو وزارت عظمیٰ پر بھی ایک خاتون کا قبضہ ہے ۔ کوئی شخص کوین الزبتھ اوّل کے بعض شاندار معاملات پر حیران ہو سکتا ہے تاہم اپنے زمانہ میں وہ انگلینڈ کی ایک تباہ کن ملکہ سمجھی جاتی تھی ۔ روس کی ملکہ کیتھرائن کی زندگی اتنی بدنام تھی اور وہ اتنی خود مختار ہو گئی تھی کہ کئی بار اس کو قتل کرنے کی سازشیں کی گئیں۔ اسی طرح یورپ میں جب بھی عورت کو اقتدار سونپا گیا وہ ریاست کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔

فرائڈ کے نقطۂ نظر سے جب ان عورتوں کے کیس کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو خاص نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ آج ہم جانتے ہیں کہ کیوں عورتیں مردوں سے مختلف عمل کرتی ہیں جب کہ دونوں ایک ہی پوزیشن میں ہوں۔ مثال کے طور پر فرائڈ کا تجربہ ۵۰ سال کی عمر یا بیوہ کے بارے میں بتاتا ہے جب وہ مایوس کن زندگی سے دوچار ہوں، تو ان کے اندر انتقام یا اقتدار سے چپٹے رہنے کا جذبہ بعض حیاتیاتی تبدیلیوں کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے، جو ان میں کچھ دنوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔ یہ حیاتیاتی تبدیلیاں ان کے طرز فکر اور ان کے جذبات میں تبدیلیاں لاتی ہیں ۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے نفسیات داں ان عورتوں کو ریٹائرڈ زندگی گزارنے کا مشورہ دیتے ہیں جن میں یہ تبدیلیاں وقوع پذیر ہو چکی ہوں ۔

یہی وجہ ہے کہ بیوہ عورتیں اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا نہیں کر پاتیں ۔ اس کلیہ میں ملکہ وکٹوریہ کا ایک استثنا رہے ۔ مگر ملکہ وکٹوریہ کو جب ایک بیوہ کی حیثیت سے حکومت کرنے کا وقت آیا تو برطانیہ ایک دستوری بادشاہت میں تبدیل ہو چکا تھا، وہ آئینی حکمراں رہی مگر حکومت نہ کر سکی۔ یہی وجہ ہے کہ برطانیہ ایک غصہ ور ضعیف خاتون کی غلط حکمرانی کے نتائج سے محفوظ رہا۔

مزید یہ کہ تمام عورتوں کی خصوصیت ہے کہ وہ اپنے دل سے سوچتی ہیں ۔ نپولین نے کہا تھا —— "ایک مرد حکمراں کا دل اس کے دماغ میں ہوتا ہے" مگر ایک عورت کا دماغ عام طور پر اس کے دل میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اور ہر ملک میں دانش مند لوگوں نے کبھی بڑی ذمہ داریوں کا بوجھ عورتوں پر نہیں رکھا۔ بیشتر عورتیں اپنی ذات اپنے خاندان یا اپنے قریبی ماحول کے دائرہ میں سوچتی ہیں۔ وہ اکثر مسائل کو وسیع ہو کر سوچنے کی اہل نہیں ہوتیں، اور اگر وہ ایسا کرنے کی کوشش کرتی ہیں تو ان سے زبردست غلطیاں ہوتی ہیں۔

ہندستان کے سیاست دانوں نے سائنٹفک علم نہ ہونے کی وجہ سے، نیز اپنے بھولا پن، اور اس شوق میں کہ وہ ترقی پسند کہلائیں عورتوں کو بڑے بڑے عہدوں پر بٹھا دیا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ موقع، کہ ہندستان اقتصادی طور پر آزاد، سیاسی طور پر طاقت ور، تہذیبی طور پر ترقی یافتہ ملک بنے، اب تک حاصل نہ ہو سکا۔ (آرگنائزر)

اعداد کی منطق

مولانا الطاف حسین حالی نے اپنے استاذ مرزا غالب کی وفات پر جو مرثیہ لکھا تھا اس کا ایک مصرعہ یہ تھا :

رحلت فخر روزگار ہے آج

اردو کے ایک پروفیسر نے "انکشاف" کیا ہے کہ "اس مصرعہ سے سید احتشام حسین (۱۹۷۲ ــ ۱۹۱۲) کی تاریخ وفات برآمد ہورہی ہے اور یہ مصرعہ مرحوم کے لئے حرف بہ حرف پورا اترتا ہے۔"

اعداد اور ردیف وقافیہ کی منطق بھی کیسی عجیب ہے۔ اس سے ہر وہ بات ثابت کی جاسکتی ہے جو ٹھوس حقائق سے ثابت کرنا ممکن نہ ہو۔

ایک شاعر تھے جو محمد علی جناح کے سخت مخالف تھے۔ جب مسٹر جناح کا انتقال ہوا تو انھوں نے اس فقرہ سے موصوف کی تاریخ وفات نکالی :

مرگیا مردود فاتحہ نہ درود

دوسری طرف ان کی ایک عزیزہ کا انتقال ہوا تو ان کی تاریخ وفات کے لئے یہ شعر موزوں ہوگیا :

پوچھا جو میں نے غیب سے ہاتف نے دی صدا
آرام گاہ عابدہ خلد بریں میں ہو

اس قسم کے اعدادی لطیفے کتاب الٰہی سے بھی برآمد کئے جاتے رہے ہیں۔ قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں حروف مقطعات کی تقریباً ایک درجن توجیہیں نقل کی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حساب جمل کے اعتبار سے قوموں کی عمریں اور ان کی موت اس سے نکلتی ہے۔ چنانچہ یہود جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے سورہ آلمٓ (البقرہ) پڑھ کر سنائی تو انھوں نے الٓمٓ کے اعداد کو گن کر کہا کہ ہم لوگ ایسے دین میں کیسے داخل ہوجائیں اور آپ پر کیسے ایمان لائیں جب کہ آلمٓ کے اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دین کی عمر صرف اکہتر سال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ بات سن کر مسکرائے۔ تو یہود نے کہا کہ کیا یہ درست نہیں ہے۔ آپ نے قرآن مجید کے دوسرے حروف مقطعات المرا، المص وغیرہ پڑھ کر سنائے کہ اب کیا خیال ہے تو یہود شرمندہ ہوئے اور انھوں نے کہا کہ اب تو آپ نے خلط ملط کردیا۔ (خلطت علینا فلا ندری بایہا ناخذ)

اکبر کے دور میں جو ایک ہزار سال پر اسلام کے ختم ہوجانے کی پیشین گوئی کی گئی تھی وہ بھی اسی بنیاد پر تھی جس کو شیعہ علمار نے قرآن مجید کی تمام صورتوں کے مقطعات کے اعداد جمع کر کے ۹۹۹ سال نکالا تھا اور درباری علمار نے اس کی تائید کی تھی۔ اس طرح اکبر کو باور کرایا گیا کہ قرآنی شریعت کا دور ختم ہوگیا۔ اب دوسری شریعت کی ضرورت ہے ■

حقیقی اسلام یہ ہے کہ آدمی خدا ہی کو سب سے بڑا سمجھے، اسی سے ہر قسم کی امیدیں وابستہ کرے۔ مگر جب دین کی روح کمزور پڑجاتی ہے تو عملیات زندہ ہوتے ہیں۔ خدا پر بھروسہ باقی نہیں رہتا۔ مخصوص قسم کے اعمال میں پُراسرار خواص کا یقین بڑھ جاتا ہے۔ وہ خدا کو مانتے ہوئے خدا کو چھوڑ دیتے ہیں۔ دین اور عملیات میں وہی فرق ہے جو قرآن اور جادو میں۔

REGD. NO. D. (C) 198

Published from New Delhi, Bombay and Ahmedabad.

THE TIME

NEW DELHI: MONDAY, MARCH 21, 1977

MRS. INDIRA GA

Recount plea rejected: Sanjay too loses

By Our Special Correspondent

NEW DELHI, March 21

THE Prime Minister, Mrs. Indira Gandhi, was defeated by over 55,000 votes in Rae Bareli at the hands of Mr. Raj Narain as the Janata Party mauled the Congress in northern states to register a tally of 101 out of 207 Lok Sabha seats the results of which have been declared so far.

Mrs. Gandhi polled 1,22,517 votes as against 1,77,729 votes secured by Mr. Raj Narain (Janata).

The returning officer of the Rae Bareli parliamentary constituency, Mr. Vinod Malhotra, announced the result of Mrs. Gandhi after rejecting a plea by Mr. M. L. Fotedar, election agent of Mrs. Gandhi, seeking time to file petition for recounting.

Before announcing the result, Mr. Malhotra also turned down a plea by Mr. Fotedar asking for repoll on several grounds, including alleged tampering of official seals on one of the ballot boxes.

In the neighbouring constituency of Amethi, Mr. Sanjay Gandhi has lost to Mr. Ravindra Pratap Singh (Janata) by 75,884 votes.

Among the ministers who have tumbled at the hustings are Mr.

Continued on page 7, column 1

Party position

Party	Seats
Total seats	542
Seats declared	539
Janata	270
CFD	28
CPI(M)	22
Congress	153
CPI	7
AIADMK	19
DMK	1
Akali Dal	8
Others	23
Independents	8

Janata w... throug...

By A Sp...

CHANDIGARH, March

ٹائمس آف انڈیا کے صفحہ اول کی یہ کٹنگ ایک عبرتناک مرقع پیش کر رہی ہے۔ ۲۰ مارچ ۱۹۷۷ء تک اس ملک پر جس شخص کا اقتدار اس طرح چھایا ہوا تھا کہ عدالت عالیہ بھی اس کے خلاف فیصلہ دینے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔ جب زوال آیا تو اسی کا یہ حال ہوا کہ ایک معمولی ریٹرننگ افسر نے اس کے الیکشن ایجنٹ کی یہ درخواست مسترد کر دی کہ انتخابی نتیجہ کا اعلان ابھی نہ کیا جائے کیونکہ وہ ووٹوں کو دوبارہ شمار کرنے کے لئے پٹیشن داخل کرنا چاہتے ہیں

ہر آدمی ایک فیصلہ کن انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔

ہندستان کی آزادی سے بارہ سال پہلے ۱۹۳۵ میں جب آنجہانی پنڈت جواہرلال نہرو نے انگریزی جیل میں اپنی آپ بیتی مکمل کی تو اس کے آخر میں انھوں نے لکھا:

"میں محسوس کرتا ہوں کہ میری زندگی کا ایک باب ختم ہوگیا اور اب اس کا دوسرا باب شروع ہوگا۔ اس میں کیا ہوگا، اس کے متعلق میں کوئی قیاس نہیں کرسکتا۔ کتابِ زندگی کے اگلے ورق سربمہر ہیں"

آٹو بیاگریفی (لندن ۱۹۵۳) صفحہ ۵۹۷

نہرو کی زندگی کے اگلے اوراق کھلے تو معلوم ہوا کہ وہ دنیا کے تیسرے سب سے بڑے ملک کے وزیر اعظم ہیں۔ انسانی آبادی کے چھٹے حصہ پر انھوں نے اپنی ساری عمر بلا شرکت حکومت کی۔ ان کا اقتدار اتنا مکمل تھا کہ اپنی وزارتی کابینہ کے طاقت ور ترین شخص سردار پٹیل سے جب ان کے اختلافات ہوئے تو ہندستان کے اس مرد آہن نے بالآخر نہرو کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور لکھ کر دے دیا کہ اختلافی معاملات میں عملاً میں اسی رائے کا پابند رہوں گا جو آپ کی رائے ہوگی۔

اس قسم کے کامل اقتدار کے باوجود پنڈت نہرو اپنی آخری عمر میں یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ شاید حقیقت کی کچھ اور منزلیں ہیں جہاں تک ان کی رسائی نہ ہوسکی۔ جنوری ۱۹۶۴ میں مستشرقین کی بین اقوامی کانگرس نئی دہلی میں ہوئی تھی۔ اس میں ہندستان کے علاوہ دوسرے ملکوں کے بارہ سو ڈیلی گیٹ شریک ہوئے، پنڈت نہرو نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا:

"میں ایک سیاست داں ہوں اور مجھے سوچنے کے لئے وقت کم ملتا ہے۔ پھر بھی بعض اوقات میں یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہوں کہ آخر یہ دنیا کیا ہے، کس لئے ہے۔ ہم کیا ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ یہ میرا یقین ہے کہ کچھ طاقتیں ہیں جو ہماری تقدیر بنانی ہیں"

(نیشنل ہیرلڈ ۷ جنوری ۱۹۶۴)

پنڈت نہرو کے انتقال کے بعد، ایک مختصر وقفہ کو چھوڑ کر، ہندستان کا اقتدار دوبارہ ان کی صاحبزادی مسز اندرا گاندھی کے ہاتھ میں آیا اور گیارہ سال دو مہینے تک اتنی شان کے ساتھ انھوں نے حکومت کی کہ لوگ کہنے لگے کہ بیٹی باپ پر بھی بازی لے گئی ہے۔ مگر بالآخر قدرت نے ان کی سیاسی کتاب کو بھی اس طرح سربمہر کر دیا کہ وہ بھی دوبارہ اسی سوال سے دوچار ہیں جس سے ان کا باپ چالیس سال پہلے دوچار تھا ——

"زندگی کیا ہے اور بالآخر آدمی کا انجام کیا ہونے والا ہے"

تاریخ کے اندر بے شمار سبق ہیں۔ ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ ہر آدمی ایک ایسی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے جہاں آدمی کی خوش فہمیاں اس کا ساتھ چھوڑ دیں گی۔ کوئی اقتدار کسی کے کام نہ آئے گا۔ وہاں فیصلہ کا سارا اختیار دوسری طاقت کے ہاتھ میں ہوگا۔ دنیا میں انسان کا انجام آخرت کے اسی انجام کا ابتدائی نمونہ ہے۔

ہر شخص جس کو زندگی کے اسٹیج پر اپنا کردار ادا کرنے کا موقع ملتا ہے، وہ انتہائی نادانی کے ساتھ اسی عمل کو دہراتا ہے جو پچھلے تجربہ میں مکمل طور پر ناکام ہوچکا ہے۔

سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہے کہ پچھلے لوگوں کے حالات میں تمھارے لئے سبق ہے اور قرآن کی صورت میں ایک مکمل نصیحت نامہ تمھارے لئے بھیج دیا گیا ہے۔ کھلا کھلا حق آجانے کے بعد بھی جو اس سے اعراض کرے، قیامت کے دن اس کو بہت برا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔

اس دن جب کہ صور پھونکا جائے گا اور خدا تمام مجرموں کو اس طرح گھیر لائے گا کہ ان کی آنکھیں خوف و دہشت سے پتھرائی ہوئی ہوں گی۔ اس وقت دنیا کی زندگی ان کو اتنی حقیر اور مختصر معلوم ہوگی کہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے: "دنیا میں مشکل سے ہم نے دس دن گزارے ہوں گے"۔ پھر کوئی بولے گا: "نہیں، تمھاری دنیا کی زندگی تو بس ایک دن کی زندگی تھی"۔

جب قیامت آئے گی تو پہاڑوں کو خدا دھول بنا کر اڑا دے گا اور ساری زمین کو ایسا چٹیل میدان بنا دے گا کہ اس میں کہیں کوئی اونچ نیچ دکھائی نہ دے گی۔ اس دن تمام انسان پکارنے والے کی پکار پر سیدھے چلے آئیں گے۔ کوئی کسی قسم کی اکڑ نہ دکھا سکے گا۔ تمام آوازیں خدا کے آگے پست ہو جائیں گی۔ سارے لوگ خاموش ہوں گے۔ چلنے کی ہلکی پھسپھساہٹ کے سوا تم کوئی آواز نہ سنو گے۔ اس روز کوئی سفارش کسی کے لئے کارگر نہ ہوگی۔ تمام لوگوں کے سر اس حیّ و قیوم کے آگے جھک جائیں گے۔

اس دن وہ شخص ناکام و نامراد ہوگا جو کسی ظلم کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔ اور جو خدا پر ایمان رکھنے والا ہو اور نیک عمل کرے، اس کے لئے کسی قسم کا کوئی خطرہ اس دن نہ ہوگا۔

جب تمام آوازیں پست ہو جائیں گی

وزیر داخلہ چرن سنگھ نے ۳۱ مارچ کو لوک سبھا میں یہ سنسنی خیز انکشاف کیا کہ انٹرنل ایمرجنسی کے نفاذ پر صدر جمہوریہ کے دستخط ۲۵ جون ۱۹۷۵ کو ہوئے تھے اور مرکزی کابینہ کے سامنے منظوری کے لئے اس کو اگلے دن ۲۶ جون کو پیش کیا گیا۔ یہ دستور کی دفعہ ۷۴ (۱) کے صریح خلاف تھا۔ کیوں کہ اس کے مطابق ایمرجنسی کے نفاذ کا فیصلہ اولاً وزراء کی کونسل میں ہونا چاہئے۔

وزیر داخلہ کے اس بیان کے بعد جنتا پارٹی کے ممبروں کی طرف سے "شرم شرم" کے نعرے بلند ہوئے۔ مگر کانگریس کی بنچوں پر مکمل خاموشی طاری رہی۔ کانگریس پارٹی کے ممبران اپنی نشستوں پر اس طرح چپ بیٹھے ہوئے تھے جیسے ان کے پاس الفاظ ہی نہ ہوں۔ حالاں کہ یہی لوگ ہیں جو ۲۰ مارچ سے پہلے اس طرح بولتے تھے جیسے ڈکشنری کے سارے الفاظ صرف انھیں کے لئے بنائے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ انھوں نے اپنے آپ کو ۶۰ کروڑ باشندوں کے اس ملک کا مالک ثابت کرنے کے لئے یہ الفاظ بھی تلاش کر لئے تھے: "اندرا از انڈیا، انڈیا از اندرا"

یہ خبر پڑھ کر راقم الحروف کو قرآن کی وہ آیت یاد آگئی

جس میں کہا گیا ہے کہ جب دنیا کی بساط لپیٹ دی جائے گی اور تمام لوگ خداوند عالم کے سامنے کھڑے کر دئے جائیں گے تو ہر ایک دم بخود ہوگا۔ وہ لوگ جن کے پاس دنیا میں ہر بات کا جواب دینے کے لئے الفاظ کا دفتر ہوا کرتا تھا، وہاں اس طرح خاموش ہوں گے جیسے ان کے منھ میں زبان ہی نہیں۔

آج لوگوں کا یہ حال صرف اتنی سی بات پر ہو رہا ہے کہ اقتدار کی کرسی سے ان کو ہٹا دیا گیا ہے۔ جب کہ سیاسی اقتدار کے علاوہ زندگی کی تمام سہولتیں اب بھی ان کو پوری طرح حاصل ہیں۔ مگر قیامت کا دن تو وہ دن ہوگا جب کہ لوگوں سے صرف اختیارات ہی نہیں چھینے جائیں گے بلکہ ضرورت اور عیش کے تمام سامان بھی ان سے واپس لے لئے جائیں گے۔ اس وقت آدمی کے پاس اپنے جسم کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ کیسا سخت ہوگا وہ دن۔ مگر آدمی اتنا بڑا ظالم ہے کہ ایک لمحہ پہلے بھی ہوش میں آنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

تاریخ کا سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ انسان کو اس زمین پر مطلق اقتدار حاصل نہیں۔ اس دنیا کا نظام ہم سے ماورا ایک طاقت ور قانون کے تحت چل رہا ہے۔ ہم اگر یہاں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو اس کی ایک ہی صورت ہے۔ وہ یہ کہ ہم اس بالاتر قانون کے ڈھانچہ میں اپنی زندگی کا نقشہ بنائیں۔ اگر ہم نے اس کو نظر انداز کر کے چلنا چاہا تو ہمارا وہی انجام ہوگا جو ایک انجنیر کا اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ ایک چلتی ہوئی لوہے کی مشین کے اندر اپنا ہاتھ ڈال دے۔ لوہے کی مشین کے مقابلہ میں حقیقت پسندی کا انداز اختیار کرنا کوئی نہیں بھولتا۔ مگر یہی بات عظیم تر مسئلہ کے بارہ میں ہر شخص بھول جاتا ہے۔

یہ انسان

مسلم اسپین کی تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں سے ایک کتاب کا نام ہے:

اخبار مجموعہ فی فتح الاندلس وذکر امرائہا
رحمہم اللہ والحروب الواقعۃ بہا بینہم

یہ کتاب غالباً گیارھویں صدی عیسوی میں لکھی گئی اور ۱۸۶۷ میں پہلی بار مجریط (میڈرڈ) سے شائع ہوئی۔

اموی دور حکومت میں افریقہ کے بربری قبائل کی بار بار بغاوت کا ذکر کرتے ہوئے اس کا مصنف لکھتا ہے:

"بربری اپنے عُمال کی حرکتوں سے تنگ آکر اکثر بغاوت کر بیٹھتے تھے۔ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ خلیفہ اور اس کے بیٹوں کو جب ضرورت ہوتی، وہ عمالِ طنجہ سے ایسی کھالیں طلب کرتے تھے جو حاملہ بکریوں کا پیٹ چاک کر کے ان کے بچوں سے حاصل کی جاتی تھیں۔ اسی کے ساتھ یہ شرط بھی لگا دیتے تھے کہ چمڑا شہد کے رنگ کا ہونا چاہئے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ سو سو بکریاں ذبح کی جاتیں اور ان میں ایک چمڑا بھی شرائط کے مطابق نہ ملتا یہ بات بربریوں کی تکلیف اور ان کی برہمی کا باعث بنتی تھی۔ (۶۶)

انسان کو جب اقتدار ملتا ہے تو اپنی بڑائی کے زعم میں وہ کیسی کیسی حرکتیں کرتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ اس کے اوپر بھی ایک صاحب اقتدار ہے اور عنقریب اس حال میں اس کے یہاں حاضر کیا جائے گا کہ وہ اس کے سامنے بکری سے بھی زیادہ بے زور ہوگا اور ایک مرے ہوئے بچہ سے بھی زیادہ بے حقیقت۔ تاریخ کا سب سے عجیب المیہ یہ ہے کہ انسان نے تاریخ سے سبق نہیں سیکھا۔

اسلام یہ ہے کہ لوگوں کو جہنم سے آگاہ کرنے کی مہم چلائی جائے نہ کہ سیاسی اور سماجی مسائل کو حل کرنے کے لئے

لوگ خوش ہو رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کوئی بہت بڑا قلعہ فتح کر لیا ہے۔ گویا "فتح مبین" دوبارہ نئی شکل میں واپس لوٹ آئی ہے۔ مگر میرا دل غم سے پھٹا جا رہا ہے۔ شاید میرے جیسے آدمی کے لئے اب اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ وہ جنگل میں چلا جائے۔ جنگل کے درخت کسی خدا کے بندے کے لئے زیادہ بہتر ہم نشیں ہیں۔ چڑیوں کے نغموں میں انسانوں کے قہقہوں اور تقریروں سے زیادہ بامعنی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ایک انتہائی ہولناک قسم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہر اس شخص کا انتظار کر رہی ہے جس کی موت اس حال میں آ جائے کہ اس کا خدا اس سے راضی نہ ہو۔ یہی سارے انسانوں کا اصل مسئلہ ہے اور اسی سے تمام قوموں کو آگاہ کرنے کے لئے مسلمان، اس زمین پر خدا کے گواہ بنائے گئے ہیں۔ مسلمان کی فتح یہ ہے کہ وہ صحیح معنوں میں اس حقیقت کا گواہ بن کر لوگوں کے سامنے کھڑا ہو سکے۔ اس کی شکست یہ ہے کہ وہ اپنی اس ذمہ داری کو ادا کرنے میں ناکام رہے۔

مسلمان کے کسی عمل کی قیمت صرف اس وقت ہے جب کہ اس کے رب کے نزدیک اس کا کوئی تعلق گواہی کے نازک کام سے ثابت ہو سکے۔ اس حیثیت سے دیکھئے تو یہ سارے ہنگامے نہ صرف غیر متعلق ہیں بلکہ وہ ہمارے لئے جرم کا درجہ رکھتے ہیں۔ مسلمان کو اس دنیا میں اس لئے کھڑا کیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کو آخرت کے عذاب و ثواب کی خبر دیں۔ مگر اپنی "انقلابی" تحریکوں سے وہ لوگوں کو صرف دنیا کے عذاب و ثواب کی خبر دے رہے ہیں۔ کتاب آسمانی کے حامل گروہ کے لئے اس قسم کی سرگرمیاں بلاشبہ جرم کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہ لوگوں کو مسائل آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے بجائے مسائل دنیا کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ یہ الٹی گواہی ہے جو قیامت کے دن ہمارے لئے بہت بڑا وبال بننے والی ہے۔ اس کی سنگینی ممکن ہے دنیا کی زندگی میں سمجھ میں نہ آئے۔ مگر اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ مرنے کے بعد وہ اس تلخ حقیقت کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اگرچہ اس وقت کا دیکھنا ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔

پھر دنیوی نتائج کے اعتبار سے بھی اس قسم کے ہنگاموں کی کوئی قیمت نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی سیاسی انقلاب خواہ وہ کتنا ہی کامیاب ہو، وہ صرف اسی کے حق میں مفید بنتا ہے جس نے انقلاب سے پہلے اس کے لئے تیاری کی ہو۔ یہ درس ہم کو دو سو برس پہلے مل چکا تھا۔ مگر حیرت انگیز بات ہے کہ لوگ آج بھی اس سے اتنا ہی بے خبر ہیں جتنا کہ وہ کبھی پہلے تھے۔ آج بھی وہ صرف "انقلاب زندہ باد" جیسے نعروں کے لئے جوش و خروش دکھاتے ہیں۔ خود اپنی تعمیر و استحکام کے لئے ان کے اندر کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی جو کہ قوموں کے لئے کرنے کا اصل کام ہے۔

اٹھارویں صدی کے وسط (۶۹-۱۷۴۰) میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے احمد شاہ ابدالی کے ذریعے ملک کے

سکھوں اور مرہٹوں پر حملے کرائے۔ شاہ اسمٰعیل شہید اور ان کے ساتھیوں نے ۱۸۳۱ء میں سکھ راجہ سے مقابلہ کرتے ہوئے جان دے دی۔ ان کوششوں سے سکھوں اور مرہٹوں کا زور تو کسی درجہ میں ٹوٹ گیا مگر اس کے بعد ۱۸۵۷ کے انقلاب نے جو چیز برآمد کی وہ، ہماری امیدوں کے برعکس، انگریز تھے نہ کہ دہلی کی مغل سلطنت۔ اس وقت انگریز زیادہ تیار اور زیادہ منظم تھا۔ اس لئے وہی نئے حالات کا ماسٹر بن سکتا تھا۔

اب انگریزوں کو ختم کرنے کے لئے سو سالہ جدوجہد شروع ہوئی جس میں لاکھوں لوگ قربان ہو گئے۔ مگر ۱۹۴۷ میں جب تاریخ نے اپنا فیصلہ دیا تو معلوم ہوا کہ نئے انقلاب کے اندر سے نیشنل کانگرس کا راج برآمد ہو گیا ہے، نہ کہ ان لوگوں کا جن کو ہم نے بطور خود شیخ الہند، امام الہند اور مفکر اعظم کے خطابات دے رکھے تھے۔

اس کے بعد تیسرا دور آیا جب کہ نئے حکمرانوں کے تلخ تجربات نے "نان کانگرس ازم" کی تحریک پیدا کی ہمارے بھائی دوسروں کے ساتھ، اس میں بھی پیش پیش تھے، ۱۹۶۹ میں اس تحریک کو جزوی طور پر اور ۱۹۷۷ میں کلی طور پر کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر اس کے بعد جو چیز برآمد ہوئی وہ جنتا کی جمہوریت تھی نہ کہ لوگوں کی خوش گمانی کے مطابق "خیر امت" کے لئے اس کا کھویا ہوا مقام۔

اس قسم کی منفی سیاست اتنی بار دہرائی گئی ہے اور اتنی بار ناکام ہوئی ہے کہ اب اس کو سیاست کہنا ہی، کم از کم میرے جیسے آدمی کے لئے، مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر اسی کا نام سیاست ہو تو مجھے نہیں معلوم کہ حماقت پھر کس چیز کا نام ہوگا۔

وحید الدین خاں

۲۵ مارچ ۱۹۷۷

مارچ ۱۹۷۷ کے الیکشن کے بعد ملک کی سیاست میں جو انقلاب آیا ہے، اس طرح کے انقلابات کی دو بڑی وجہیں قرآن میں بتائی گئی ہیں۔ ایک، انعام۔ دوسرے، امتحان۔

کبھی اللہ تعالیٰ اپنے کچھ بندوں کے بارہ میں ارادہ فرماتا ہے کہ نہ صرف آخرت میں بلکہ دنیا میں بھی ان کو غلبہ عطا کیا جائے۔ اس وقت وہ غالب گروہ کو اقتدار کے مقام سے ہٹا دیتا ہے اور اس کی جگہ اپنے پسندیدہ گروہ کو بٹھا دیتا ہے جو اب تک زمین میں کمزور سمجھے جا رہے تھے۔ ملک کے موجودہ حالات میں ایسی کوئی علامت نظر نہیں آتی کہ موجودہ انقلاب کو نصرت الٰہی کے اس قانون کے ذیل میں شمار کیا جائے۔

دوسری وجہ، اس طرح کے انقلابات کی، امتحان ہے۔ اس دنیا میں ہر آدمی امتحان کی حالت میں ہے۔ قومیں اور جماعتیں بھی اپنے اپنے مقام پر اپنا امتحان دے رہی ہیں۔ فرد جب اپنا امتحان دے چکتا ہے تو موت کے فرشتے اس کو دار العمل سے اٹھا کر دار الجزا میں پہنچا دیتے ہیں۔ اسی طرح کوئی قوم یا جماعت جب علم الٰہی کے مطابق اپنے امتحان کی مدت پوری کر لیتی ہے تو اس کو میدان عمل سے ہٹا دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرے فریق کو کام کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔

وہی سنت جو اس سے پہلے مغلوں اور انگریزوں کے حق میں ظاہر ہوئی تھی اب نہرو خاندان کے حق میں ظاہر ہوئی ہے۔ یہ امتحان کا معاملہ ہے نہ کہ انعام کا۔

ظفر الاسلام خاں

عیسائی پادری کا قبول اسلام

مصر کے ابراہیم خلیل فلپس اسلام لانے سے پہلے ایک اہم پادری شمار کیے جاتے تھے۔ انھوں نے مصری عیسائی اداروں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۵۲ میں پرنسٹن یونیورسٹی (امریکہ) سے مسیحی علوم میں ایم۔ اے حاصل کیا۔ امریکہ سے واپسی پر وہ اسیوط کے کلیتہ اللاہوت میں پروفیسر ہو گئے۔ ان کا کام اسلام کے بارے میں اپنے طلبہ کو تیار کرنا تھا جو کہ کالج سے فارغ ہو کر پادری کی حیثیت سے مشرقی کنیسہ (مصر و حبشہ) کے لئے کام کرتے تھے۔ تدریس کے دوران ان کو یہ خیال ہوا کہ کیوں نہ مستشرقوں پر اعتماد کرنے کے بجائے وہ خود اسلام کا مطالعہ کریں تاکہ اس پر طعن و تشنیع بہتر طریقے سے کر سکیں۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ خود ان کے الفاظ میں: "نتیجہ الٹا نکلا۔ کیونکہ میرا ایمان متزلزل ہونے لگا اور مجھے یوں محسوس ہونے لگا گویا میرے دل و دماغ میں کش مکش پیدا ہو گئی ہے۔ مجھے پتہ چلا کہ جو کچھ میں نے پہلے پڑھا اور پڑھایا تھا وہ سب محض تحریف اور جھوٹ تھا۔"

۱۹۵۴ میں ابراہیم خلیل کو جرمن سوئس مشن کا مصر میں سکریٹری جنرل بنا کر اسوان بھیج دیا گیا جہاں ان کا اصل کام اس علاقے کے مسلمانوں کو عیسائی بنانا تھا۔ اسوان ہی میں اگلے سال (۱۹۵۵) کی ایک شام کو ریڈیو سنتے ہوئے ابراہیم خلیل نے سورہ جن کی ابتدائی آیتیں سنیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

کہو میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک گروہ نے قرآن کو سنا۔ پھر اپنی قوم سے جا کر کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست بتاتا ہے۔ سو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔

ان آیتوں نے ان کے دل و دماغ میں ایک آگ لگا دی اور انھوں نے اسی وقت قرآن شریف پڑھنا شروع کیا اور اگلی صبح تک پڑھتے ہی رہے۔ یہاں تک کہ وہ اس آیت شریفہ تک پہنچے: الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○

(وہ لوگ جو رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جن کو وہ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے منع کرتا ہے اور

وہ مصر کے ایک بڑے عیسائی پادری تھے۔ اسلام کا مطالعہ انھوں نے مستشرقین کی کتابوں کے ذریعہ کیا تھا۔ پھر ان کو خیال ہوا کہ اسلام کو براہ راست سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ جب انھوں نے اسلام کو قرآن و حدیث سے سمجھنے کی کوشش کی تو وہ اس کی باتوں سے اتنا متاثر ہوئے کہ اسلام قبول کر لیا۔

پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتاتا ہے اور گندی چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور ان کے اوپر جو بوجھ اور طوق تھے، ان کو اُن سے دور کرتا ہے۔ سو جو لوگ اس رسول پر ایمان لائے ہیں اور اس کی حمایت کرتے ہیں اور اس کی مدد کرتے ہیں۔ اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں

(۱۵۷:۷)

اس آیت کو پڑھ کر انھوں نے اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کر لیا۔ صبح کو انھوں نے اپنی بیوی کو بتایا کہ انھوں نے طے کر لیا ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ وہ بھاگی بھاگی اسوان میں مسیحی مشن کے صدر کے پاس گئی جو کہ شاڈٹز نامی ایک سوئس آدمی تھا۔ اس نے گھبرا کر ان سے سوال کیا کہ کیا آپ کی بیوی کا کہنا درست ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ شاڈٹز نے ان کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن جب کامیاب نہ ہو سکا تو یہ کہتے ہوئے چلا گیا کہ آج سے اپنے آپ کو کام سے برخاست سمجھو۔ اسی کے ساتھ ساتھ شاڈٹز نے سارے اسوان میں یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ ابراہیم خلیل پاگل ہو گئے ہیں۔ ابراہیم خلیل کو وہاں کے عیسائیوں نے اس قدر پریشان کیا کہ وہ اسوان چھوڑ کر قاہرہ آگئے۔ یہاں وہ اسٹینڈرڈ اسٹیشنری کمپنی میں ڈپٹی ڈائرکٹر (سیلز) ہو گئے اور ۱۹۵۹ تک کام کرتے رہے اور آخر کار ۲۵ دسمبر ۱۹۵۹ کو انھوں نے علانیہ اپنے مسلم ہونے کا اعلان قاہرہ کے امریکی مشن کے نام ایک تار میں کیا۔ اور قاہرہ گورنمنٹ کو درخواست دے دی کہ ان کے اسلام لانے کے سلسلے میں ضروری اجراءات پوری کی جائیں۔ اس عرصہ میں ان کے پاس کنیسہ کے بہت سے ذمہ دار سمجھانے اور لبھانے آئے، مگر وہ اپنے موقف سے نہ ہٹے اور مصری قانون کے مطابق گورنمنٹ کی ایک کمیٹی کے سامنے پیش ہو کر اپنے یقین و ارادہ کا اظہار کیا اور آخر کار ۱۲ مئی ۱۹۶۰ کو باقاعدہ طور پر ابراہیم خلیل فلپس سے ابراہیم خلیل احمد ہو گئے۔

اسلام لانے کے بعد جذبۂ ایمانی سے سرشار ابراہیم خلیل نے مصری مسجدوں اور کالجوں میں تقریریں کرنا اور کتابیں لکھنا شروع کر دیں جن میں وہ اسلام کے محاسن بیان کرتے اور لوگوں کو استشراقی و مسیحی خیالات سے آگاہ کرتے۔ ان کی کوششوں سے بہت سے عیسائی نوجوانوں کو نورِ ہدایت ملا۔ ان کی سرگرمیوں سے پریشان ہو کر مصری کنیسہ نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ان کو روکا جائے۔ اس مرحلہ پر بات آجانے سے مصری وزارت داخلہ نے انھیں بلا کر تنبیہ کی اور انھیں وطنی اتحاد کے قانون (قانون الوحدۃ الوطنیۃ) کی زد میں آنے کی دھمکی دے کر خاموش کرنے کی کوشش کی۔ اس وجہ سے وہ سعودی عرب ہجرت کر گئے جہاں وہ کلیۃ الدعوۃ واصول الدین میں تدریس کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

ابراہیم خلیل احمد کی مؤلفات

۱۔ محمد فی التوراۃ والانجیل والقرآن۔
۲۔ المستشرقون والمبشرون فی العالم العربی والاسلامی
۳۔ اسرائیل والتلمود
۴۔ الاستشراق والتبشیر وصلتہا بالاستعمار العالمی
۵۔ تاریخ بنی اسرائیل (تین اجزاء میں)
۶۔ الاسلام فی الکتب السماویہ
۷۔ المسیح انسان لا الہ
۸۔ المخطط التبشیری والاستعماری
۹۔ اعرف عدوك : اسرائیل عقیدۃ وسیاسۃ

مولانا
زاہد علی خاں
علی گڑھ

جائز حدود میں وسعت ناجائز حدود میں جانے کا راستہ بند کر دیتی ہے

آبادی سے متعلق اقوام متحدہ کی رپورٹ (شائع شدہ ۱۹۷۶ء) میں بتایا گیا ہے کہ ۱۹۷۵ء کے اختتام تک دنیا کی آبادی تین ارب ۸۹ کروڑ ۸۰ لاکھ تھی۔ اس میں عورتیں ۵۳ فی صد اور مرد ۴۷ فی صد ہیں۔ گویا تقریباً چار ارب کی آبادی میں مردوں کی نسبت ۲۴ کروڑ عورتیں زیادہ ہیں۔

یہ کوئی اتفاقی بات نہیں۔ جنگ اور مختلف حادثات کی وجہ سے ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ آبادی میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ہو جاتی ہے۔ ۱۸۹۰ء اور ۱۹۰۱ء کے درمیان برطانیہ، فرانس، جرمنی، سویڈن، اسپین، آسٹریلیا وغیرہ مغربی ملکوں میں جو مردم شماری ہوئی، اس میں مجموعی طور پر تقریباً ۴ لاکھ عورتیں زیادہ تھیں۔ یک زوجگی کے اصول کے مطابق دیکھا جائے تو ان ۴ لاکھ یا مذکورہ بالا ۲۴ کروڑ عورتوں کے شوہر مہیا نہیں ہو سکتے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ان "فاضل" عورتوں سے کہہ دیا جائے کہ تم اپنے دلوں سے مرد کی خواہش ہمیشہ کے لئے نکال دو۔ ظاہر ہے کہ ایسا ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی معاشرہ کو، جہاں یک زوجگی کا اصول نافذ ہے، اس کا حل صنفی انارکی کی صورت میں تلاش کرنا پڑا۔

اسلام اس کا بالکل سادہ اور فطری حل یہ پیش کرتا ہے کہ: تم عدل کی شرط کے ساتھ حسب ضرورت ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کر لو (نساء۔ ۳) اسلام نے اپنے اس چھوٹے سے قانون کے ذریعہ کروڑوں عورتوں کو اپنے دوسرے ہم جنسوں کے برابر حقوق دے کر مساوات کی صف میں کھڑا کر دیا۔ انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ کسی کام کے جائز راستے بند ہو جائیں تو وہ ناجائز ذرائع سے اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ خدائی قانون نے جائز حدود میں وسعت پیدا کر کے ناجائز راستوں میں جانے کا راستہ بند کر دیا۔

"When you point your finger accusingty at some one, three of your fingers are pointing back at you."

چین کا سفر	کے۔ کے۔ سود

مضمون نگار آل انڈیا ریڈیو کے نامہ نگار ہیں۔ وہ نومبر ۱۹۷۱ میں ٹیبل ٹینس کے ہندستانی کھلاڑیوں کی ایک ٹیم کے ساتھ چین گئے تھے۔

شہر پیکنگ کو پہلی بار دیکھنے والا آدمی دھوکے میں پڑ جاتا ہے۔ چین کی یہ راجدھانی چین میں کسی ٹکنکل اور صنعتی ترقی کا پتہ نہیں دیتی۔ یہاں اسکائی اسکریپر (کثیر منزلہ عمارتیں) نہیں۔ سڑکوں پر زیادہ تر سائکلیں نظر آتی ہیں یا پیدل چلنے والے۔ کہا جاتا ہے کہ چار ملین آبادی کے اس شہر میں ایک ملین سائکلیں ہیں۔

دنیا کی دوسری راجدھانیوں کی طرح یہاں سڑکوں پر کاروں کا منظر دکھائی نہیں دیتا۔ یہاں بہت ہی کم کاریں ہیں۔ وہ بھی یا تو غیر ملکیوں کی ہیں یا حکومت کی۔ چین کے ترقیاتی منصوبہ کی فہرست میں "کار" کا مقام بہت پیچھے ہے۔ اسی طرح چین میں اسکوٹر اور موٹر سائکلیں بھی نہیں۔ البتہ عام شہریوں کے لئے چین میں مختصر بس سروس کا انتظام کیا گیا ہے۔ یہاں سڑکیں عموماً اچھی اور چوڑی ہیں۔

اوپر سے پیکنگ قدیم طرز کا ایک شہر معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کے نیچے انتہائی جدید قسم کا زمین دوز ریلوے کا نظام ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً ۲۳ کیلومیٹر ہے۔ اس کی تعمیر ۱۹۶۹ میں ہوئی تھی۔ چینیوں کا کہنا ہے کہ یہ تمام تر چینی انجینروں نے بنایا تھا۔

یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ چین نے بڑی حد تک غریبی کو ختم کر دیا ہے۔ اگرچہ جاپان جیسے کسی ملک سے چین کا عام معیار

> **ایک پچھڑا ہوا ملک صرف ۲۵ سال میں اپنے مسائل حل کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ ذاتی وسائل پر انحصار، محنت اور ایمان داری کا طریقہ اختیار کرے ——**
>
> **ایسا نہ ہو تو سو سال کی مدت بھی کسی ملک کے سنبھلنے کے لئے کافی نہیں۔**

زندگی کمتر نظر آتا ہے مگر وہاں بھوک کے مارے انسان کہیں دکھائی نہیں دیتے، وہ سادہ غذائیں کھاتے ہیں۔ جسمانی تربیت بہت عام ہے۔ سڑکوں پر ہزاروں لڑکے ورزش کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے چین نے اپنے شہریوں کی جسمانی صحت کا معیار بہت بہتر بنا لیا ہے۔

چینی حکومت نے رہائش کے معیار کو بہتر بنانے کے لئے شہروں میں کئی منزلہ کوارٹر بنائے ہیں۔ مگر عام طور پر لوگ ان میں جانا پسند نہیں کرتے۔ وہ اپنے قدیم طرز کے مکانوں میں رہنے کو ترجیح دیتے ہیں جہاں وہ اپنے مختصر صحن میں کچھ سبزیاں بھی اگا سکیں۔

چین میں تقریباً نصف درجن نوآبادیاتی طاقتیں پچھلی صدیوں میں استحصال کرتی رہی ہیں۔ مگر آزادی کے بعد صرف ۲۵ برسوں میں چین نے خود کفیل معیشت تعمیر کر لی ہے اور اپنے عوام کا معیار زندگی بھی بلند کر لیا ہے۔ چین میں ہر آدمی کام میں مصروف نظر آتا ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورتیں۔

الرسالہ مئی ۱۹۷۷

یہ ریگستان!

ہماری زمین کا ۲۰ ملین مربع کیلومیٹر رقبہ یا تو ریگستان ہے یا ناقابل زراعت۔ یہ مقدار زمین کے زیر کاشت رقبہ کے مقابلہ میں پانچ ملین مربع کیلومیٹر زیادہ ہے۔ مختلف قدرتی اور انسانی اسباب سے اس ریگستانی رقبہ میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شمالی افریقہ کا صحرا ہر سال تقریباً ایک لاکھ ہیکٹیر زمین کو ریگستان بنا رہا ہے۔ ہندستان میں راجستھان کے ریتیلے میدانوں کے بارے میں اندازہ ہے کہ وہ ہر سال ایک کیلومیٹر کی رفتار سے بڑھ رہے ہیں۔ پچھلے پچاس برس سے مسلسل یہ صورت حال جاری ہے۔ اکونومک اینڈ سائنٹفک ریسرچ فاؤنڈیشن کی تحقیق کے مطابق ہندستان اپنی قابل کاشت زمین کا ایک فی صد حصہ ہر سال کھو رہا ہے۔ کیونکہ وہ مسلسل ریگ زار کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔

پانی کا نہ ہونا کسی علاقہ کے ریگستان ہو جانے کا بنیادی سبب ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان علاقوں کے لئے پانی کہاں سے لایا جائے۔ اس کا سب سے بڑا ذریعہ زمین کے نیچے کا پانی ہے بشرطیکہ ریگستان کے نچلے طبقات میں پانی موجود ہو۔ دوسرا ذریعہ نہریں ہیں جو ایک مقام سے دوسرے مقام کو پانی کے ذخائر منتقل کرتی ہیں۔ ریگستان کے کنارے کے علاقوں میں درخت لگانا بھی اس کا ایک جزوی حل ہے۔

اسرائیل نے اپنے ریگستانوں کو کارآمد بنانے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ دریائے اردن سے نہریں نکال کر اس کا فاضل پانی ریگستانوں میں لے جایا جاتا ہے۔ وہ پانی جو بالآخر بہہ کر بحر مردار میں گر جاتا، اس کو ریگستانی علاقوں کو سرسبز کرنے میں استعمال کیا جا رہا ہے۔

ہندستان میں تین لاکھ ۲۰ ہزار مربع کیلومیٹر زمین ریگستان ہے، جس کا بڑا حصہ راجستھان میں ہے۔ (۶۲ فی صد) اگر اس کو قابل کاشت بنایا جا سکے تو نہ صرف ہمارا غذا کا مسئلہ حل ہو جائے بلکہ ہم غذائی اشیار کو برآمد کرنے کے قابل ہو جائیں۔

گنگا اور جمنا کے سیلابی پانی کے رخ کو مصنوعی طور پر موڑ کر راجستھان اور گجرات کے ریگستانوں میں پہنچایا جا سکتا ہے۔ سیلاب کے پانی میں زرخیز مٹی بڑی مقدار میں ملی ہوئی ہوتی ہے، اس لئے اگر یہ عمل جاری رکھا جا سکے تو دس سال میں ریگستان کی مٹی کو بدلا جا سکتا ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ان ریگستانوں کے نیچے "خاموش دریا" پائے جاتے ہیں اور ان کے پانی کو اوپر لا کر بھی ان علاقوں کو سیراب کیا جا سکتا ہے۔

عرب ملکوں اور دوسرے ریگستانی علاقوں میں اس مسئلہ کی تحقیق پر کثیر رقم خرچ کی جا رہی ہے۔ سمندر

کے کھاری پانی کو آب پاشی کے لئے استعمال کرنے کے طریقے دریافت کئے جا رہے ہیں۔ مصنوعی بارش اور مصنوعی شبنم پیدا کرنے کے تجربے ہو رہے ہیں۔ امریکہ کی نیشنل سائنس فاؤنڈیشن نے اپنے سہ ماہی جرنل کا خصوصی نمبر اس کے بارے میں شائع کیا ہے جو اس موضوع پر اب تک کی تحقیقات و نتائج کا نہایت قیمتی مجموعہ ہے۔

قدرت نے زمین کو عجیب ڈھنگ سے بنایا ہے۔ یہاں کہیں زرخیز مٹی ہے، کہیں ریگستان، کہیں پہاڑ ہے کہیں سمندر، کہیں جنگل ہے کہیں بیابان۔ ان میں سے ہر ایک کا ایک مصرف ہے۔ انسان کو عقل اسی لئے دی گئی ہے کہ وہ ان میں سے ہر ایک کے امکانات کو جانے اور ان کو انسانی مفاد کے لئے استعمال کرے۔ مگر یہ بھی تاریخ کا عجیب المیہ ہے کہ انسان نے ہمیشہ اپنی عقل کو تعمیر سے زیادہ تخریب کے کاموں میں استعمال کیا ہے۔

آخرت کا تصور نہ ہو تو انسانی زندگی جنگل کی زندگی بن جاتی ہے

واشنگٹن میں ولیمن اسکول فار ٹیچرس کے نام سے معلمین کی تربیت کے لئے ایک ادارہ قائم ہے۔ اس ادارہ میں غیر ملکیوں کو انگلش سکھانے والے شعبہ کی ایک خاتون استاد، لاطینی امریکہ کے طلبہ کو امریکی معاشرہ کی روایات کے بارہ میں لکچر دے رہی تھیں۔ لکچر کے خاتمہ پر، گوئٹے مالا کی ایک خاتون طالب علم نے کہا: میں نے دیکھا ہے کہ یہاں چودہ سال کی لڑکیاں اور پندرہ سال کے لڑکے مکمل جنسی تعلقات قائم کرتے ہیں۔ اور یہ اس قسم کے تعلقات کے لئے بہت زیادہ قبل از وقت ہے“

امریکی خاتون استاد نے نہایت جوش سے جواب دیا:

”زمین پر ہماری زندگیاں انتہائی مختصر ہیں۔ یہاں اتنا موقع نہیں کہ ہم چودہ سال سے زیادہ اپنا وقت ضائع کریں“ (امریکا التی رأیت، از سید قطب)

یہ حقیقت ہے کہ اگر آخرت کے تصور کو نکال دیا جائے تو ہر قسم کی اخلاقی پابندیاں اور انسانی احتیاط بالکل بے معنی ہو جاتی ہیں۔ اگر زندگی یہی دنیا کی زندگی ہو اور اس کے بعد آدمی ہمیشہ کے لئے مٹ جانے والا ہو تو کیوں وہ دنیا کی لذتوں اور آسائشوں کے بارہ میں کسی قسم کی پابندی قبول کرے۔ اس کے برعکس اگر انسان کے ذہن میں یہ بات بٹھادی جائے کہ موت کے بعد بھی زندگی کا تسلسل جاری رہتا ہے۔ موت کے بعد لذت اور الم ہے تو موجودہ مختصر دنیا اس کے لئے بے حقیقت ہو جائے گی اور وہ اگلی طویل زندگی کو بہتر بنانے کے لئے ہر قسم کی اخلاقی بندشوں کو خوشی سے قبول کرے گا۔ ونوڈ ریڈی نے لکھا ہے:

”کیا اس دنیا کے علاوہ کوئی اور دنیا ہے جہاں ہمارے عمل کے مطابق ہم کو بدلہ دیا جائے گا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس سے ہمارا مفاد بہت زیادہ وابستہ ہے۔ موجودہ زندگی بہت مختصر ہے اور اس کی خوشیاں بے حد معمولی ہیں۔ جب ہم وہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں جو ہم چاہتے ہیں تو موت کا وقت قریب آچکا ہوتا ہے، اگر یہ واضح ہو سکے کہ ایک خاص طریقہ پر زندگی گزارنے سے دائمی خوشی حاصل ہو سکتی ہے تو بیوقوف یا پاگل کے علاوہ کوئی بھی شخص اس طرح زندگی گزارنے سے انکار نہیں کرے گا“

مارٹائرڈم آف مین، ۱۴۳

جس کی نحو کمزور تھی وہ تاریخ کا سب سے بڑا نحوی بن گیا

وقتی مقبولیت یا نامقبولیت تاریخ کے فیصلہ کو متاثر نہیں کرتی

مشہور نحوی سیبویہ (م ۱۷۷ھ) ایران میں پیدا ہوا اور بصرہ میں پرورش پائی۔ اس کی نوجوانی کا واقعہ ہے جب کہ وہ حدیث وفقہ کا طالب علم تھا۔ ایک دن وہ حماد بن سلمہ کی مجلس میں تھا۔ وہ حدیث کی املا کرا رہے تھے۔ ایک حدیث آئی:

لیس من اصحابی احد الا لو شئت لاخذت علیہ لیس ابا الدرداء

سیبویہ یہ سن کر بول اٹھا: لیس ابو الدرداء۔ اس پر حماد نے چلا کر کہا: سیبویہ تم غلطی پر ہو۔ یہ استثناء ہے (اس لئے ابو کے بجائے ابا ہے)۔ سیبویہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے اپنے جی میں کہا کہ میری نحو کمزور ہے اور مجھے اس میں مہارت پیدا کرنی چاہئے۔ اب اس نے نحو سیکھنا شروع کر دیا۔ وہ بصرہ و کوفہ کے نحوی علماء خلیل، یونس اور عیسیٰ بن عمر کی مجلسوں میں جانے لگا۔ اس نے اس فن میں اتنی محنت کی کہ بالآخر وہ اس کا امام بن گیا۔ نحو وادب کے شاذ مسائل میں اس کا کوئی ثانی نہ رہا۔ اس کے بعد اس نے نحو پر ایک ایسی کتاب لکھی جو اپنی اہمیت اور بلندی کی وجہ سے "الکتاب" کے نام سے مشہور ہے۔ اس فن کے علماء کا کہنا ہے کہ فن نحو پر اس کے برابر کی کوئی کتاب آج تک لکھی نہ جا سکی۔ کسائی کے متعلق بھی اسی قسم کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

آخری دور میں سیبویہ بغداد چلا گیا۔ یہاں مشہور نحوی عالم کسائی (م ۱۸۹ھ) تھا۔ وہ ہارون رشید کے لڑکے امین کا اتالیق تھا۔ ایک بار یحییٰ بن خالد برمکی وزیر کے زیر اہتمام دونوں کے درمیان مناظرہ ہوا۔ اس مجلس میں کسائی نے سیبویہ کے سامنے عربی کا یہ جملہ دہرایا:

کنت اظن ان العقرب اشد لسعة من الزنبور فاذا هو ایاها

کسائی نے پوچھا: اس جملہ میں فصیح زبان کا طریقہ کیا ہے۔ سیبویہ نے جواب دیا کہ جملہ کے آخر میں "ایاها" کی منصوب ضمیر لانا جائز نہیں ہے۔ صحیح جملہ یوں ہوگا: فاذا هو هی۔ کسائی نے کہا، نہیں۔ عرب اس کو دونوں طریقے سے بولتے ہیں۔ بحث بڑھی تو دونوں نے مسئلہ کا فیصلہ کرانے کے لئے ایک فصیح اللہجہ دیہاتی عرب کو حکم بنایا۔ اس سے جب پوچھا گیا تو اس نے سیبویہ کو صحیح بتایا۔

مگر کسائی شہزادہ امین کا اتالیق تھا۔ مزید یہ کہ وہ کوفی تھا اور سیبویہ ایرانی۔ اور جیسا کہ معلوم ہے، خلفاء عباسیہ کوفہ والوں کی طرف داری کرتے تھے۔ امین نے اپنے کوفی استاد کی حمایت میں تعصب سے کام لیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر دیہاتی بھی ڈر گیا اور اس نے بعد کو کسائی کی موافقت کر دی۔ اب معاملہ سنگین ہو گیا حتیٰ کہ سیبویہ کو اندیشہ ہوا کہ اس کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ وہ بغداد کو چھوڑ کر ایران بھاگ گیا۔ وہاں شیراز کے قریب ایک گاؤں "بیضاء" میں اپنی زندگی کے بقیہ دن گزار دیئے۔ یہاں چالیس سال سے کچھ زیادہ کی عمر پا کر اس کا انتقال ہو گیا۔

نصف صدی بعد بھی

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے انیسویں اجلاس (مارچ ۱۹۲۵) میں نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے خطبہ صدارت پڑھا تھا پچاس برس پہلے ہمارے دینی مدارس کا جو حال تھا، اس کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

"ہمارے مدارس کی بے سرو سامانی اس سے ظاہر ہے کہ حال میں جو فتنہ ارتداد پھیلا تو ہر طرف سے یہ صدائیں بلند ہیں کہ تعلیم تبلیغ کے واسطے جماعتیں قائم کی جائیں۔ یعنی قدیم تعلیم اور جماعتیں اس ضرورت کے لئے بھی ناکافی ہیں۔ اور واقعہ بھی یہی ہے۔ تقریر اور تحریر دونوں کی وہ قوت نہیں جو سننے اور پڑھنے والوں کے دل و دماغ پر سکہ بٹھادے۔ معلومات، کتابوں کے ضمائر اور اشارات تک، شروح و حواشی قدیمہ کی عبارات تک محدود۔ کام چلے تو کیونکر۔ شدید ضرورت داعی ہوئی جدید جماعتوں کے قیام کی۔"

ان سطروں کو لکھے ہوئے پچاس برس گزر گئے مگر ہمارے اداروں کا یہ خلا بدستور باقی ہے۔

غیر مسلموں میں اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے آج پہلے سے بھی زیادہ بڑی تعداد میں مبلغین کی ضرورت ہے۔ یورپ میں مذہب کو از سر نو جاننے کا زبردست رجحان پیدا ہوگیا ہے اور دوسرے مذاہب کے لوگ تیزی سے ان کے درمیان گھس رہے ہیں۔ مگر ہمارے مدارس کے پاس ایسے لوگ نہیں جو اہل یورپ کو اسلام کا پیغام دے سکیں۔ افریقہ کی مقامی زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی بے حد مانگ ہے، مگر ہمارے یہاں ایسے لوگ مفقود ہیں جو ان زبانوں میں اسلامی کتابوں کا عمدہ ترجمہ کر سکیں۔ جدید اسلوب اور جدید استدلال کے ساتھ اسلامی کتابیں تیار کرنے کی ضرورت کا ہر طرف سے تقاضہ ہو رہا ہے۔ مگر ہمارے رہنما جذباتی تقریروں کے سوا اور کوئی چیز آج کے انسان کو نہیں دے سکتے۔

ہندستان میں خود غیر مسلم جماعتیں اپنے اہتمام سے ایسے اجتماعات کرتی ہیں جن میں مختلف مذاہب کے لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ وہاں آکر اپنے مذہب کا تعارف کرائیں مگر اس ذمہ داری کو ادا کرنے والے آدمی بھی ہمارے پاس نہیں۔

الرسالہ مئی ۱۹۷۷

پہلی جنگ عظیم (۱۸-۱۹۱۴) کے زمانہ میں جب عرب دنیا ترکی کی عثمانی خلافت کے "جوئے" سے رہائی کو اپنے لئے عظیم نجات تصور کئے ہوئے تھی، ان کے درمیان ایسے لوگ بھی تھے جو اس کے دور رس عواقب کو سمجھتے تھے اور اپنے عرب بھائیوں کو اس سے آگاہ کر رہے تھے۔

مثال کے طور پر امیر شکیب ارسلان (۱۹۴۶ - ۱۸۶۹) نے اسلامی اتحاد کی اہمیت کو محسوس کیا اور عربوں کو ترکوں کے خلاف بغاوت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اگرچہ اس کے صلے میں انھیں یہ تحفہ ملا کہ ان کو خوشامدی اور غدار کہا گیا۔ اس کا جواب انھوں نے اپنے ایک شعر میں اس طرح دیا تھا:

سیعلم قومی اننی لا اغشهم
ومهما استطال الليل فالصبح واصل

(جلد ہی میری قوم جان لے گی کہ میں اس کو دھوکا نہیں دے رہا ہوں۔ رات خواہ کتنی ہی طویل ہو جائے، صبح بہرحال آنے والی ہے۔)

آپ بیتی

میں جس زمانہ (از ستمبر ۱۹۶۲ تا جون ۱۹۶۳) میں مکگل یونیورسٹی (کناڈا) کے اسلامک ریسرچ اینڈ ایجوکیشن انسٹی ٹیوٹ سے بحیثیت معلم کے وابستہ تھا اس زمانہ میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ مئی ۱۹۶۳ کے پہلے ہفتہ میں انسٹی ٹیوٹ کی گورننگ باڈی کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں میں بھی شریک تھا اور پروفیسر ولفریڈ کینٹول اسمتھ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے اس میں صدر نشین تھے۔ ایجنڈے پر بہت سے تعلیمی مسائل کے ساتھ ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ انسٹی ٹیوٹ کے ایک طالب علم مسٹر مشیر الحق (حالیہ پروفیسر اسلامیات جامعہ ملیہ) ایم۔ اے کا امتحان دے چکے تھے اور اب وہ پی۔ ایچ۔ ڈی میں داخلہ چاہتے تھے۔ میٹنگ میں جب یہ مسئلہ زیر غور آیا تو پروفیسر اسمتھ نے کہا کہ مشیر ایم۔ اے کے امتحان میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہوجائیں گے اور اس بنا پر پی۔ ایچ۔ ڈی میں داخلہ اور اس کے اسکالرشپ کے مستحق ہوں گے ہی لیکن اس سلسلہ میں انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہمیں اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ مشیر شادی شدہ ہیں اور ان کے بچے بھی ہیں اور مشیر کو ان سے جدا ہوئے دو برس ہو چکے ہیں۔ اب اگر یہ پی۔ ایچ۔ ڈی میں داخلہ لیتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اب مزید تین برس اور یہ اپنی بیوی بچوں سے جدا رہیں گے اور یہ ایک جوان میاں بیوی کے لئے نامناسب بات ہے، اس بنا پر میں دو تجویزیں پیش کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ مشیر کے لئے ہندوستان آنے جانے کا انتظام کیا جائے تاکہ وہ موسم گرما کی تعطیل کے تین مہینے اپنے بچوں میں گزار لیں اور دوسری تجویز یہ ہے کہ ان کی بیوی اور بچوں کو یہاں بلوا دیا جائے اور ان کے اسکالرشپ کی رقم میں اتنا اضافہ کر دیا جائے کہ سب مل کر آسانی سے گزارہ کر لیں۔

کچھ دیر بحث و گفتگو کے بعد اسمتھ صاحب کی دونوں تجویزوں کو علی سبیل التبادل نہیں بلکہ علی سبیل الاجتماع منظور کر لیا گیا۔ چناں چہ مشیر صاحب ہندوستان آئے۔ تین مہینے کے قریب یہاں رہے اور پھر اپنی بیوی بچوں کو لے کر کناڈا واپس لوٹ گئے۔

(مولانا) سعید احمد اکبرآبادی (پیدائش ۱۹۰۸)
ہمدرد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، تغلق آباد، نئی دہلی

آدمی اسی چیز کو کھو رہا ہے جس کو وہ سب سے زیادہ پانا چاہتا ہے

لوگوں کی دوڑ دھوپ آج کس چیز کے لئے ہے۔ کھانا، کپڑا، مکان، عزت، خوش حالی اور پُرمسرت زندگی۔ ہر شخص اپنی ساری زندگی کو انھیں چیزوں کے حصول اور ترقی میں لگائے ہوئے ہے۔

مگر موت کا واقعہ بتاتا ہے کہ آدمی موجودہ دنیا میں اپنے اس مطلوب کو انتہائی عارضی مدت کے لئے حاصل کرتا ہے۔ ان چیزوں کو پانے کی اصل جگہ وہ دنیا ہے جہاں آدمی کو ہمیشہ رہنا ہے۔ لوگ اپنی ساری طاقت دنیوی مستقبل کی تعمیر میں لگائے ہوئے ہیں، اُخروی مستقبل کی تعمیر کی کسی کو فکر نہیں۔ زندگی کے اگلے طویل تر مرحلہ میں وہ اسی چیز کو کھو رہے ہیں جس کو وہ موجودہ عارضی دنیا میں سب سے زیادہ پانا چاہتے ہیں ــــ کیسی عجیب ہے یہ محرومی۔ مگر کوئی نہیں جو اس پر سوچنے کے لئے تیار ہو۔

سعودی عرب کے نائب وزیر اعظم شہزادہ فہد ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۵ کو لندن پہنچے تو ان کا استقبال "اس روایتی شان کے ساتھ کیا گیا جو الف لیلہ کے دور میں کسی اسلامی خلیفہ کا ہو سکتا تھا"۔ اخبار (ہندستان ٹائمس ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۵) کے الفاظ میں "زمین کے اس سب سے اہم آدمی" نے ایک اقتصادی معاہدہ پر دستخط کئے جس کے مطابق برطانیہ کو ۷۰ ملین ڈالر کے پانچ سالہ منصوبہ میں سعودی عرب کی غیر معمولی امداد حاصل ہوگی۔ اخبار نے اس خبر کی سرخی قائم کی:

BRITAIN BOWS BEFORE OIL CALIPH

مشرق وسطیٰ کے تیل نے دنیا کی سیاست کا نقشہ جس طرح بدلا ہے، اس میں ایک سبق یہ بھی ہے کہ اس نے اس مفروضہ کو بے بنیاد ثابت کر دیا کہ "اسلام کا زمانہ ختم ہو چکا۔" اسلام کی مغلوبیت حقیقۃً کسی نظریاتی کمزوری کی وجہ سے پیدا نہیں ہوئی تھی بلکہ صرف اس عملی واقعہ کا نتیجہ تھی کہ مغربی قومیں اقتصادی قوتوں پر چھا گئیں اور مسلم قومیں اس دوڑ میں پیچھے رہ گئیں۔ اب جیسے ہی شرق اوسط کے پٹرول نے مسلم قوموں کی اقتصادی پس ماندگی کی تلافی کی، صورت حال بدلنے لگی۔ اور "اسلام" کا لفظ ماضی کے بجائے حال کا نشان بن گیا۔

سودی اقتصادیات کے خلاف

اکیسویں کامن ویلتھ پارلیمنٹری کانفرنس اکتوبر ۱۹۷۵ کے آخری ہفتہ میں نئی دہلی میں ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں ۳۱ اکتوبر کو ایک سیمینار ہوا جس کا عنوان تھا:

PROBLEM OF DEBT REPAYMENT
FOR DEVELOPING COUNTRIES

"زیر ترقی ممالک کے لئے قرضوں کی ادائیگی کا مسئلہ"۔ اس موقع پر ممبران کی طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ ترقی یافتہ ممالک زیر ترقی ممالک کو بلا سود (انٹرسٹ فری) قرضے دیں۔ تاکہ یہ قرضے مقروض ملکوں کے لئے زیادہ بامعنی بن سکیں۔ انھوں نے کہا کہ موجودہ شکل میں یہ قرضے عملاً بے معنی ثابت ہو رہے ہیں۔ کیونکہ سود کے ساتھ قرضوں کی ادائگی کی وجہ سے زیر ترقی ممالک کے وسائل دوبارہ ترقی یافتہ ملکوں کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہئے تھا۔

ہندستان کے پارلیمنٹری نمائندہ وی۔ پی راجو نے بتایا کہ ہندستان کے اوپر جو بیرونی قرضے ہیں، ان کی مقدار موجودہ مالی سال کے خاتمہ تک سات ہزار کرور ہو جائے گی۔ یہ قرضے بالاقساط ادا کئے جاتے ہیں۔ مگر جہاں تک سود کا تعلق ہے، وہ پوری رقم پر ہر سال دینا ہوتا ہے۔ اور یہ ادائیگی بھی ظاہر ہے کہ بیرونی سکہ میں ہوتی ہے۔ چنانچہ ہندستان کی برآمدی کمائی کا ۲۵ فی صد بیرونی قرضوں کی ادائگی میں چلا جاتا ہے۔ مسٹر راجو نے کہا کہ بیرونی تجارت کا توازن اس وقت ایک ہزار کرور روپیہ کے بقدر ہندوستان کے خلاف ہے۔ ایسی حالت میں وہ کس طرح اپنے اقتصادی وجود کو برقرار رکھ سکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ وقت آگیا ہے کہ سودی قرضوں کو، کم از کم غذا، ایندھن اور کھاد میں بالکل ختم کر دیا جائے۔

(ہندستان ٹائمس یکم نومبر ۱۹۷۵)

اندھاپن

انڈین کونسل آف میڈیکل ریسرچ کے ایک سروے کے مطابق ہندستان کی ۶۰۰ ملین آبادی میں آٹھ ملین سے زیادہ لوگ اندھے ہیں۔ بتایا گیا ہے کہ اندھے پن کی شرح، مسلمانوں کے مقابلہ میں، ہندوؤں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔

(ہندستان ٹائمس ۲۵ نومبر ۱۹۷۵)

حفظانِ صحت

حکیم عبدالکریم، کریمی دواخانہ
پنگواں، ضلع گوڑگاؤں

"معدہ بیماریوں کا گھر ہے" اور "پرہیز کل دواؤں کا سر ہے"۔ یہ مقولے آج بھی اتنے ہی صحیح ہیں جتنے کبھی پہلے تھے۔ صحت و تندرستی کے لیے ابتدائی شرط یہ ہے کہ آدمی کھانا اسی قدر کھائے جتنا اس کا معدہ آسانی سے ہضم کرسکتا ہو۔ سادہ غذا جو غلیظ ہو، اسکے عادی کو بیماری کم پیدا ہوگی اور عمر بھی دراز ہوگی۔ لطیف غذا اور شربت اگرچہ زود ہضم ہوتے ہیں۔ مگر معدہ کو ضعیف کرتے ہیں۔ لطیف کھانوں سے اگرچہ اچھی خلطیں حاصل ہوتی لیکن وہ جلد اثر قبول کرنیوالی ہوتی ہیں، اسلئے جب مرض کا حملہ ہوتا ہے تو طبعیت اس کے دفاع میں عموماً ناکام رہتی ہے۔

جو لوگ قدرت سے قریب تر کثیف غذائیں استعمال کرنے کے عادی ہوتے ہیں، وہ اکثر زیادہ تندرست دیکھے گئے ہیں، ایسے لوگ اکثر عمر بھی لمبی پاتے ہیں، انکے اعضا مضبوط ہوتے ہیں، جیسا کہ دیہات کے لوگوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ شہری لوگ جو لطیف غذاؤں کے عادی اور شربت نوش ہوتے ہیں، اکثر ضعیف الاعضا اور کم عمر پائے گئے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ کثیف قدرتی غذا دیر ہضم ہوتی ہے اور بدہضمی پیدا کرتی ہے۔ مگر یہ بات غیر معتاد کیلئے ہے جب عادت ہوجاے تو کثیف غذا زود ہضم ہوجاتی ہے اور خلطیں اچھی پیدا کرتی ہیں۔ اور صحت قائم رکھنے میں عادت کا بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔

آنکھ: ایک قدرتی تحفہ

آنکھ ہمارے دماغ کی کھڑکی ہے۔ باہر کی دنیا سے جو معلومات ہم حاصل کرتے ہیں، ان میں سے ۸۰ فیصد ہم کو آنکھ کی معرفت پہنچتی ہیں۔

انڈین کونسل آف میڈیکل ریسرچ کے حالیہ اندازے کے مطابق ہندستان میں اندھوں کی تعداد ۹۰ لاکھ ہے اس سے کئی گنا زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جن کی آنکھ کمزور ہے یا صحیح طور پر کام نہیں کرتی۔ ہندستانی شہریوں کو ان اندھوں کی پرورش و پرداخت پر جو خرچ کرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ ۱۲ ہزار کرور سالانہ کیا گیا ہے اندھوں کی بڑی تعداد صحیح علاج سے درست ہوسکتی تھی، مگر غیر تربیت یافتہ معالجین کے غلط علاج اور سرمے اور کاجل نے انھیں مستقل طور پر اندھا بنادیا۔

آنکھ کی کمزوری کا ایک بڑا سبب ناقص خوراک ہے عالمی ادارہ صحت کے ایک جائزہ کے مطابق ۱۵ ہزار بچے ہر سال اپنی آنکھ کی روشنی سے اسلیے محروم ہوجاتے ہیں کہ انکو وٹامن اے نہیں ملتا۔ اسی طرح خوراک میں پروٹین اور وٹامن بی کامپلیکس کی کمی بھی اندھاپن پیدا کرتی ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہندستان میں غلط پکوان کی وجہ سے ہر سال ایک ہزار کرور روپے کے وٹامن ضائع ہوجاتے ہیں۔

تاہم ہندستان میں اندھے پن کا واحد بڑا سبب آنکھ میں سفید پانی آجانا ہے، چھ ملین افراد اس قسم کی صورتحال میں مبتلا پائے گئے ہیں۔ سفید پانی (موتیا بندھ) کا کامیاب علاج صرف آپریشن ہے۔ غیر ترقی یافتہ ملکوں میں زیادہ تر بچپن میں آنکھ ضائع ہوجاتی ہے جبکہ ترقی یافتہ ملکوں میں بڑی عمر میں اسکی نوبت آتی ہے۔ بچّہ کی آنکھ میں کوئی نقص یا کوئی غیر معمولی بات نظر آئے تو فوراً کسی اچھے ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیئے۔

The Research and Development Plant of Ashok Organic Industries Limited.

محنت اتحاد اور استقلال نے انھیں کامیاب بنایا

راستہ پر لگ جائیے ، حالات آپ کے موافق ہوتے چلے جائیں گے

مسٹر منی لال کرٹاکیا ممبئی میں کپڑے کی دلالی کرتے تھے۔ اس کے بعد ان کا تجارتی تجربہ ان کے کام آیا اور وہ ایک ایسی فرم میں ورکنگ پارٹنر ہوگئے جو کپڑے کی برآمد کا کام کرتی تھی۔

چند کامیاب سالوں کے بعد ان کے اقتصادی حوصلہ نے انھیں سجھایا کہ وہ اپنا کوئی مستقل کاروبار شروع کریں۔ انھوں نے ۱۹۶۳ میں منی لال کرٹاکیا اینڈ کمپنی کے نام سے ایک فرم قائم کرلیا۔ اتفاق سے انھیں دنوں کپاس کے کاروبار میں بحران کا دور آگیا۔ ابتدائی چند سال مسٹر کرٹاکیا کے بہت سخت گزرے۔ تاہم انھوں نے ہمت نہیں ہاری۔

اب ایک خوش قسمتی نے مسٹر کرٹاکیا کا ساتھ دیا۔ ان کا بڑا لڑکا مسٹر اشوک کرٹاکیا تعلیم یافتہ ہوکر باپ کی مدد کے قابل ہوگیا۔ اب دونوں نے مل کر از سر نو نئی قوت کے ساتھ کوشش شروع کردی۔

اس کے بعد ان کے حالات نے انھیں ایک اور زینہ فراہم کیا۔ ان کے دوسرے لڑکے ڈاکٹر انیل کرٹاکیا نے میڈیسین میں ڈگری حاصل کی، اور اپنی سائنسی صلاحیت کو اپنے والد اور بھائی کے قائم کردہ کارخانہ میں لگادیا۔ تیسرے بھائی مسٹر پنکاج کرٹاکیا، جنھوں نے کیمیکل انجینیرنگ میں ڈگری لی تھی، انھوں نے مینجمنٹ اور تعمیرات کی ذمہ داری سنبھال لی۔

۱۹۷۳ میں اس خاندان کا اشوک آرگینک انڈسٹریز لمیٹیڈ کے نام سے ایک کارخانہ قائم ہوچکا تھا۔ ضلع بڑودہ میں نندیسری کے مقام پر گجرات سرکار نے ان کو ۲۵ ہزار مربع میٹر کا پلاٹ نیز مالی امداد دی۔ دینا بنک نے ضروری سرمایہ فراہم کرنے میں تعاون کیا۔ اب یہ خاندان کامیابی کے ساتھ کیمیکل ٹریڈ کے میدان میں ترقی کے مراحل طے کررہا ہے۔

(فری پریس جرنل، ممبئی - ۱۶ جولائی ۱۹۷۶ء)

دانش مندی کے امتحان میں ہاری ہوئی بازی کو نہ پُرجوش تقریروں کے ذریعہ جیتا جاسکتا ہے اور نہ خوشامدی سیاست سے۔

ہندستان کی چھٹی لوک سبھا کے لئے الیکشن کے انعقاد کا اعلان ۱۸ جنوری ۱۹۷۷ کو ہوا ہے اور سابق صدر جمہوریہ فخرالدین علی احمد کا انتقال ۱۱ فروری کو۔ جب الکشن کا اعلان ہوا تو راقم الحروف نے اپنے کچھ ساتھیوں سے کہا تھا ــــ "فخرالدین علی احمد اگر اس وقت صدارت سے استعفا دے دیں اور اندرا گاندھی کے مقابلہ میں سیاست کے میدان میں آجائیں تو وہ سارے ملک کے سیاسی ہیرو بن جائیں گے"۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ۱۸ جنوری اور ۱۶ مارچ کے درمیان دو ماہ کا وقت ہندستان کی سیاست میں ایک تاریخ ساز لمحہ تھا۔ مگر نہ فخرالدین علی احمد اس راز کو سمجھ سکے اور نہ دوسرا کوئی مسلم لیڈر۔ ذاتی طور پر مجھے سیاست سے کوئی دل چسپی نہیں۔ مگر مجھے حیرت ہے کہ جو لوگ سیاست ہی کو اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں، وہ سیاست سے اتنے بے خبر کیوں رہتے ہیں کہ ایک دن پہلے تک بھی انھیں حالات کی اطلاع نہیں ہوتی۔

آزادی کے بعد بننے والے ہندستان میں جن مسلمانوں کو موقع ملا کہ وہ کانگریسی حکومتوں میں صدر، گورنر، وزیر اور سفیر بنیں وہ دراصل ان کے اس سیاسی کردار کی قیمت تھی جو ۱۹۴۷ سے پہلے آزادی کی تحریک میں انھوں نے برادران وطن کے ساتھ مل کر ادا کیا تھا۔ بعد کو جو لوگ کانگرس پارٹی میں شامل ہوئے، وہ قدرتی طور پر یہ درجہ حاصل نہ کر سکے۔

انگریزوں کے خلاف لڑائی میں لوگوں کا سیاسی کردار پچاس سال میں بنا تھا۔ کانگریسی راج کے مقابلہ میں جدوجہد کا یہ لمحہ، مخصوص اسباب سے، کم ہو کر دو مہینے میں سمٹ آیا تھا۔ مگر مسلم قیادت، تقریباً سب کی سب کانگرس سے لپٹی رہی۔ وہ اس تاریخ ساز عمل میں شریک ہونے کی دانش مندی نہ دکھا سکی۔ نہرو خاندان کی حکومت کے تحت ان کو جو مفادات ملے ہوئے تھے، ان کو ان آخری لمحات میں بھی خطرہ میں ڈالنا انھیں گوارا نہیں ہوا جب کہ زمانہ اس حکومت کے خاتمہ کا آخری فیصلہ کر چکا تھا۔

اب بہت سے لوگ اپنی سیاسی وفاداریاں تبدیل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر اب اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ ۱۶ مارچ ۱۹۷۷ سے پہلے سیاسی پلیٹ فارم بدلنے سے آدمی کا سیاسی کردار بنتا تھا، جب کہ آج اس قسم کی تبدیلی صرف سیاسی ابن الوقتی ہے جس کی کوئی قیمت کسی کے نزدیک نہیں۔

مسلم قیادت کی یہ غلطی ایک عظیم سیاسی نقصان کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ اس الکشن میں مسلمانوں نے عام طور پر جنتا پارٹی کو ووٹ دیا۔ نئے گروہ کی کامیابی میں بلاشبہ مسلم ووٹروں کا بھی ایک حصہ ہے۔ مگر نئی بننے والی حکومت میں اسی نسبت سے ان کو مقام نہ مل سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی سیاسی نظام میں ایک گروہ کا مقام محض ووٹروں سے نہیں بلکہ لیڈروں سے بنتا ہے۔ جو قوم صرف ووٹ دینے کے لئے جوش و خروش دکھانا جانتی ہو، اس کی ساری دھوم بس پولنگ کے دن نظر آئے گی۔ اس کے بعد حکومت کے نظام میں اس کا کوئی

دخل نہ ہوگا۔ خواہ وہ حکومت کے ایوان کے باہر کتنی ہی تقریریں کرتی رہے۔

مسلم قیادت کی یہ غلطی اب ناقابل تلافی ہے کہ اس نے زمانہ کے رخ کو نہیں پہچانا اور نئی سیاسی قوتوں کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ جانے والی طاقت کے ساتھ لپٹے رہے، جب کہ سیاسی بصیرت کا تقاضا تھا کہ وہ آنے والی سیاسی طاقت کے حق میں اپنا وزن ڈال دیتے۔

مسلمانوں کو سب سے زیادہ دل چسپی سیاست سے ہے۔ مگر اپنی سیاسی بے شعوری کی وجہ سے ہر انقلاب کے موقع پر وہی سب سے زیادہ گھاٹے میں رہتے ہیں۔ اور جدید انقلاب کے بعد انھیں جو سیاسی نقصان پہنچا ہے، وہ تو پچھلے تمام نقصانات سے بھی زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ فرضی امیدوں کے جوش اور جذباتی تقریروں کے ہجوم میں ابھی ان کو یہ نقصان دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ مگر بہت جلد وہ وقت آئے گا کہ حقائق زور کر کے انھیں یہ سب کچھ بتا دیں گے۔ اگرچہ یہ امید نہیں کہ اس وقت بھی وہ کوئی صحیح ردعمل دکھا سکیں۔

ذاتی طور پر راقم الحروف کا خیال تو یہ ہے کہ مسلمان سیاست کو بالکل چھوڑ دیں اور اپنی ساری قوت اصلاح و تعمیر اور دعوت و تبلیغ میں لگا دیں۔ مگر جو لوگ سیاسی مشغلہ ہی کو اپنا مشن بنائے ہوئے ہیں، وہ کیوں اپنے میدان عمل کے مسائل سے اتنا بے خبر رہتے ہیں، اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

(دہلی۔ ۲۸ مارچ ۱۹۷۷)

آدمی دوسروں کے ساتھ عبرتناک واقعات ہوتے دیکھتا ہے مگر اپنے آپ کو اس طرح الگ کر لیتا ہے گویا اس کے ساتھ ایسا ہونے والا نہیں

ہفت روزہ الجمعیۃ ۱۳ دسمبر ۱۹۶۸ کا صفحہ ۸ آپ کھولیں تو اس میں "تاریخ مظلوم کا ساتھ دیتی ہے" کے زیر عنوان یہ عبارت چھپی ہوئی ملے گی:

"وہ اقتدار سب سے زیادہ نادان اقتدار ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ ظلم و ستم کے ذریعہ کسی کے اوپر حکومت کی جا سکتی ہے۔ انسان کی مثال پتھر کی سی نہیں ہے کہ اس کو ہتھوڑے سے توڑ دیا جائے تو وہ ٹوٹی ہوئی حالت پر قانع ہو کر پڑا رہے۔ بلکہ وہ احساس اور شعور رکھنے والا ایک وجود ہے جس کو اگر مٹایا جائے تو اس کے اندر انتقام کی بے پناہ آگ بھڑک اٹھتی ہے اور یہ آگ ایسی خوفناک ہوتی ہے جو بڑے سے بڑے ظالم کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔

تاریخ میں ہمیشہ ظلم کا یہی انجام ہوا ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ بعد کے ظالم اپنے پچھلے ظالموں سے سبق نہیں لیتے اور دوبارہ اسی حماقت کو دہراتے ہیں جو ان کے پیشرو دہرا چکے ہیں۔"

قرآن ــــــــ
ایک انوکھی کتاب ہے
محمدؐ ــــــــ
کا تیاگ سب سے بڑھا ہوا ہے
نماز ــــــــ
خدا سے شکتی لینے کا نام ہے

Shree Rajneesh Ashram,
17, Koregaon Park, Poona 411 001.

آچاریہ رج نیش ۱۹۳۱ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۷ میں ساگر یونیورسٹی سے فلسفہ میں ایم اے کیا۔ ۹ سال تک کالج میں استاد رہے۔ ۱۹۶۶ میں ملازمت چھوڑ کر مذہبی کام کرنا شروع کیا۔

آچاریہ جی نمائشی مذہبیت سے بیزار ہیں اور گہرائی میں اتر کر حقیقت کو پانے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے: " باہر کی یاترا کم کرو، اس سے انتریاترا میں بادھا پڑتی ہے " ان کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی ہے کہ ان کا بولا ہوا ایک ایک لفظ شائع ہوتا ہے۔ ان کی تمام تقریروں کے ٹیپ تیار ہوتے ہیں اور وہ ملک کے مختلف حصوں میں قائم شدہ مراکز میں لفظ بلفظ سنائے جاتے ہیں۔

ایک بار انھوں نے اپنی تقریر میں کہا:

" ابھی بھی جو میرے قریب آگئے ہیں، جو میں بولتا ہوں اس سے ان کا بہت پریوجن (غرض) نہیں ہے، میرے دو شبدوں کے بیچ جو خالی جگہ ہے، اس سے ہی ان کا زیادہ پریوجن (غرض) ہے۔ اب وہ لکیروں کے بیچ پڑھنے لگے ہیں اور شبدوں کے بیچ سننے لگے ہیں۔ اور شبد تو صرف بہانا ہیں "

ان کا خیال ہے کہ بیشتر لوگ بس ویسے ہی بن جاتے ہیں جیسا ماحول ان کو بنا دے۔ حالاں کہ آدمی کا اصل کمال یہ ہے کہ وہ خود شعوری کا مقام حاصل کرے اور آپ اپنی تعمیر کرے۔ انھوں نے ایک بار کہا: بچے تو سبھی پیدا کرتے ہیں۔ سب سے کٹھن کام اپنے آپ کو جنم دینا ہے۔

یہاں آچاریہ رج نیش کے چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں جو قرآن، نماز اور پیغمبر اسلام کے بارے میں انھوں نے کہے ہیں:

پیغمبر اسلام

" مہاتما بدھ نے راج پاٹ چھوڑا، مہابیر نے محل تیاگا۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ ان دونوں کا بڑا تیاگ تھا لیکن محمدؐ کا تیاگ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ انھوں نے ایسا

جیون اپنایا جس میں روزانہ تیاگ کرنا پڑتا تھا۔ یہ تیاگ ایک دن کا تیاگ نہ تھا بلکہ روز روز کا تیاگ تھا۔ خچروں پر لدا ہوا مال آتا تھا۔ وہ فوراً لوگوں میں اسے بانٹ دیتے اور پھر خالی کے خالی ہاتھ ہو جاتے تھے۔"

● قرآن

"تم اخبار پڑھتے ہو، تم نے کبھی اس پر خیال کیا کہ یہی روز روز پڑھتے ہو! کچھ نیا گھٹتا ہے کبھی؟ نیا تو قرآن میں گھٹا ہے۔"

(گھٹنا: واقع ہونا)

● نماز

"مہورت وقت کا کوئی ناپ جوکھ نہیں ہے۔ وقت کے باہر کی جھلک ہے۔ شبھ مہورت میں سارے کام شروع ہوں۔ اس لئے سارے دھرموں نے کہا ہے کہ صبح اٹھتے ہی پرارتھنا پہلا کام ہو، تاکہ مہورت سدھ جائے۔ پھر تم چلو یا ترا پر۔ پھر کوئی حرج نہیں۔ پھر دھرموں نے یہ بھی کہا ہے کہ ان میں بھی کچھ پڑاؤ بنا لو؛ جیسے اسلام نے کہا ہے پانچ بار، بار بار شبھ مہورت کو پکڑ پکڑ لو۔ تو ایسے اگر کوئی دن میں پانچ بار نماز پڑھے، سچ میں ہی پڑھے، ایسا دہرا ہی نہ رہا ہو صرف ایک فارملٹی کو۔ تو وہ پائے گا حیران ہو کے کہ سنسار میں رہتے ہوئے بھی سنسار میں نہیں ہے۔ کیونکہ بار بار اس کے پہلے کہ سنسار کی دھول جمے، وہ پھر نہالے گا؛ اس کے پہلے کہ سنسار کا اُپدرو (فتنہ و فساد) اسے گھیرلے اور ٹھٹھر مرجائے، وہ پھر تازہ ہو جائے گا، پھر وہ پرماتما سے شکتی لے لے گا، پھر اپنے بھیتر چھپ کے ایک ڈبکی لگالے گا، پھر پر بھا منڈت (منوّر) ہو کر، آنند منڈت ہو کے (طرح سے بھر کر) واپس سنسار میں آئے گا۔

رات سوتے وقت بھی پھر دھیان کے لمحہ ہی میں سونا ہے۔ پھر لمحہ بھر کو دھاگا پکڑ لو، دن میں کئی بار کھو گیا ہوگا۔"

"آچاریہ رج نیش کے کمرہ میں جو کتابیں رکھی گئی ہیں، ان میں مذہب سے لے کر مارکسزم اور سیاسیات تک شامل ہیں۔ لینن، کرشنا مورتی، نطشے، سارترے گورڈ گیف، ہیڈ گیر اور شنکر سبھی کی تصنیفات ان کی لائبریری میں موجود ہیں۔ ان کے ایک شاگرد کا کہنا ہے کہ آچاریہ راج نیش کی معلومات کو وقت کے مطابق رکھنے کے لئے ہم چھ ہزار روپیہ مہینہ خرچ کرتے ہیں! ہمارے لئے وہ ایک قسم کے کمپیوٹر ہیں۔ ہم انھیں کتابیں دے دیتے ہیں اور وہ اس حکمت کا خلاصہ ہمیں بتا دیتے ہیں جو ان کتابوں کے اندر ہوتا ہے۔ کتاب کو پڑھنا، اس کا تجزیہ، اس کو ہضم کرنا، اس کی تعبیر کرنا، یہ سب ہمیں نہیں کرنا پڑتا۔ اچاریہ رج نیش کی انگریزی بھی اتنی ہی اچھی ہے جتنی کہ ہندی جو کہ ان کی مادری زبان ہے۔ وہ دونوں زبانوں پر غیر معمولی قدرت رکھتے ہیں۔"

شری اے۔ ایس۔ رمن، جنھوں نے آچاریہ رج نیش کے کیمپ میں چند دن گزارے تھے، مذکورہ باتیں لکھتے ہوئے کہا ہے کہ وہ انسان کو باطنی سفر INNER JOURNEY کا پیغام دیتے ہیں۔

(سنڈے اسٹینڈرڈ ۲۷ فروری ۱۹۷۲)

غلط استدلال

سورہ انفال (آیت ۴۱) میں یہ حکم ہے کہ اموال غنیمت کا خمس ریاست کا حصہ ہے اور بقیہ فوجیوں کا۔ ابتدائی دور میں اسی کے مطابق عمل ہوتا رہا۔ مدائن، جلولار، حمص، حلب وغیرہ فتح ہوئے تو ان کے اموال غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کرکے ایک حصہ ریاست کو بھیج دیا گیا اور بقیہ چار حصے فوجیوں میں تقسیم کر دئے گئے۔ واضح ہو کہ اس زمانہ میں فوجی باتنخواہ نہیں ہوتے تھے، بلکہ رضاکارانہ طور پر لڑنے کے لئے جایا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں سواد عراق کی زمینیں فتح ہوئیں تو فاتح فوجیوں نے چاہا کہ ان زمینوں کو بھی اسی طرح تقسیم کیا جائے، جس طرح اس سے پہلے اموال تقسیم ہوتے رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس سے اختلاف کیا۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ یہ زمینیں تم لوگوں کو دے دوں تو دوسرے مسلمانوں کے لئے کیا رہے گا۔ اور حکومت کے اخراجات کیسے پورے ہوں گے۔ (فما تُسَدُّ به الثغور وما يكون للذرية والارامل) اس مسئلہ پر کئی روز تک بحث ہوتی رہی۔ فوجیوں کا کہنا تھا کہ یہ ہماری ملکیت ہے۔ اس لئے ہم کو ملنا چاہیے (اتقف ما افاء الله علينا باسيافنا على قوم لم يحضروا) بالآخر فیصلہ حضرت عمرؓ کی رائے پر ہوا۔

جو لوگ اجتماعی ملکیت کے نظریہ پر یقین رکھتے ہیں، وہ اس واقعہ سے دلیل لاتے ہیں کہ انفرادی ملکیت کو منسوخ کرکے اجتماعی ملکیت قائم کرنا اسلام میں جائز ہے مگر اس واقعہ سے یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہوتی۔ حضرت عمرؓ اور ان کے ہم خیال (عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ وغیرہ) کی جو گفتگوئیں اور تقریریں منقول ہوئی ہیں، ان سے بالکل یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ان زمینوں کو فی الواقع فوجیوں کی ملکیت سمجھتے تھے اور اس کے باوجود ان کو چھین کر ریاستی ملکیت بنانا انھوں نے جائز سمجھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ زمینیں تو ابھی نئی نئی فتح ہوئی تھیں اور ان پر ملکیت کے تحقق کا سوال تھا نہ کہ فردی ملکیت سے نکال کر اجتماعی ملکیت میں دینے کا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی تقریر میں واضح لفظوں میں کہا کہ یہ زمینیں تمھاری ملکیت نہیں ہیں۔ اگر وہ تمھاری ملکیت ہوتیں تو میں ان کو چھیننا اپنے لئے جائز نہ سمجھتا۔

قد سمعتم كلام هؤلاء القوم الذين زعموا انى اظلمهم حقوقهم وانى اعوذ بالله ان اركب ظلما۔ لئن كنت ظلمتهم شيئا هو لهم واعطيته غيرهم لقد شقيت

الفاروق عمر، از محمد حسنین ہیکل
الجزء الثانی صفحہ ۲۹۶

تم لوگوں نے ان فوجیوں کی گفتگو سنی جن کا خیال ہے کہ میں ان کے حقوق غصب کر رہا ہوں۔ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ کسی کا حق غصب کروں۔ اگر میں ایسا کروں کہ ایک چیز جو ان کی ہو، اس کو لے کر کسی دوسرے کو دے دوں تو میں شقی ہوں گا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ اجتماعی ملکیت کے نظریہ کی تردید ہے۔ کیونکہ اس میں خلیفہ دوم صاف لفظوں میں فرما رہے ہیں کہ مجھ کو (بالفاظ دیگر حکومت کو) تمھاری کسی ملکیت کو منسوخ کرنے کا حق نہیں۔ اگر میں ایسا کروں، تو میں شقاوت کا مرتکب ہوں گا۔ یہ واقعہ اس کے برعکس بات ثابت کر رہا ہے جس کے لئے اسے پیش کیا جاتا ہے ■■■

سوچ کر زندگی گزاریئے

حافظ حامد حسن علوی (۱۸۷۲ - ۱۹۵۹) اعظم گڑھ کے ایک بزرگ تھے۔ نہایت ذہین اور معاملہ فہم۔ انکے عزیزوں میں ایک شخص اکثر گھر کے اندر عورتوں اور بچوں میں بیٹھا کرتے تھے۔ حافظ صاحب مرحوم نے جب کئی بار ان کو اس طرح دیکھا تو ایک روز بگڑ کر فرمایا: "عورتوں میں مت بیٹھو، اس سے عقل کم ہو جاتی ہے۔"

یہ مقولہ حال میں مجھے اس وقت یاد آیا جب میں نے ایک نوجوان کو دیکھا۔ وہ اس سے پہلے ایک معمولی ملازمت میں تھے۔ پچھلے دو برس سے انھوں نے ملازمت چھوڑ کر ایک کاروبار کر لیا ہے۔ جب میں ان سے ملا تو مجھے محسوس ہوا کہ ان کے کل اور آج میں بہت بڑا فرق ہو چکا ہے۔ ملازمت کے زمانے میں وہ دبے اور بھنچے ہوئے شخص دکھائی دیتے تھے۔ بہت کم کوئی سمجھ داری کا جملہ ان سے سننے میں آتا تھا۔ مگر اب جو میں نے دیکھا تو ان کے اندر ایک اعتماد ابل رہا تھا۔ اور بات بات میں سمجھ داری کی باتیں ان کی زبان سے نکل رہی تھیں۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ آدمی جیسی زندگی گزارتا ہے، اسی کے لحاظ سے اس کی عقل کی تربیت بھی ہوتی ہے۔ جو شخص عورتوں اور بچوں میں اپنا وقت گزارے ظاہر ہے کہ اس کی گفتگو کے موضوعات بالکل معمولی ہونگے۔ گھریلو قصے، فیشن، ہنسی مذاق، کھانا کپڑا وغیرہ۔ اس قسم کی باتوں میں مشغول رہنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا ذہن اونچے اور گہرے مسائل میں غور و فکر کی تربیت نہیں پا سکے گا۔ اسی طرح ملازم کی زندگی ایک لگی بندھی زندگی ہوتی ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح مہینہ پورا کرلے تو اس کو مقررہ تنخواہ بہر حال مل جائے گی۔ اس زندگی کی وجہ سے اس کے اندر ایک قسم کا ذہنی ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس تجارت ایک ایسا کام ہے جس میں ہر وقت آدمی کی محنت اور صلاحیت کا امتحان ہوتا رہتا ہے۔ ہر دن اس کو نئے نئے حالات سے نمٹنا پڑتا ہے یہ چیز حالات سے لڑنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اس کی عقل کو جلا دیتی ہے اس کو بار بار زندگی کی خوراک دیتی رہتی ہے۔

آدمی کو چاہیئے کہ اپنی زندگی کا مشغلہ طے کرتے وقت یہ ضرور سوچے کہ وہ اسکی زندگی کی تربیت کس طرح کرے گا۔ وہی مشغلہ ایک انسان کے لیے صحیح مشغلہ ہے جس میں اس کی چھپی ہوئی صلاحیتیں ابھریں، اس کے ذہن کا افق وسیع ہو، اس کے اندر خود اعتمادی کی پرورش ہو سکے، وہ دنیا میں وہ تمام "رزق" پا سکے جو خدا نے یہاں اس کے لیے مہیا کر رکھا ہے۔

انسانی ذہن حیران کن حد تک بے پناہ صلاحیتیں رکھتا ہے۔ اگر ہم درست مشغلہ اختیار کریں تو ہمارے ذہن کی ترقی ہماری زندگی کی آخری سانس تک جاری رہیگی، اس کے امکانات کبھی ختم نہ ہوں گے۔ اس کے برعکس اگر ہم اس کو کسی محدود یا ناقص مشغلہ میں بند کردیں تو وہ ٹھٹھر کر رہ جائے گا۔ پانی ایک گڑھے میں ہو تو وہ گھٹ کر رہ جاتا ہے، مگر وہی پانی جب دریا میں رواں ہوتا ہے تو سیلاب بن جاتا ہے۔

محمد فاروق خاں ایم اے

ایک خط

میں اپنے ایک رفیق کے والد کے انتقال پر تعزیتی خط لکھنے بیٹھا تو ایسا محسوس ہوا جیسے میں خود اپنے آپ سے کچھ کہنے چلا ہوں۔ جب ہم کسی سے کچھ کہتے ہیں تو اس شخص سے کہیں زیادہ اس کا مخاطب خود ہم ہوتے ہیں۔ مکتوب الیہ کے والد کا انتقال ۲۳ اور ۲۴ دسمبر ۱۹۷۶ء کی درمیانی شب میں ہوا۔

آپ کے والد محترم کے انتقال کی خبر ملی۔ والد کا انتقال زندگی کا ایک خاص تجربہ ہوتا ہے۔ اس تجربہ سے آپ کو گزرنا تھا گزرے۔ خدا مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ دنیا سے ان کی واپسی درحقیقت زندگی کے مزید امکانات کی خبر ہے۔ پھر زندگی میں اگر یہ واپسی نہ ہو تو زندگی اجیرن ہو جائے، دشوار ہو جائے۔ جیون میں رس تو اسی واپسی کی وجہ سے ہے یہ واپسی محض واپسی نہیں ایک بڑے امکان کی طرف پیش قدمی ہے۔ موت زوال نہیں کمال کی خبر ہے۔ اس کمال کی خبر جس کی متحمل موجودہ دنیا نہیں ہو سکتی۔ موجودہ دنیا تو صرف اس کی طرف ہمارا ذہن موڑ سکتی ہے۔ بشرطیکہ ہم اس کے لیے تیار ہوں۔ بیدار ہوں۔ بصورت دیگر ہم اس کے اشاروں کو سمجھنے سے قاصر ہی رہیں گے۔ موت زندگی کی شام نہیں۔ زندگی کی صبح ہے۔ صبح ہونے سے ہم غمزدہ کیوں ہوں۔ ہمارا دل تو اتنا وسیع ہونا چاہیئے جس میں دنیا اور مابعد دنیا دونوں ہی سما جائیں۔ جو دنیا کے بعد ہے اسے ہم اپنی ذات سے الگ نہ دیکھیں۔ ساری کلفتوں اور غموں کا سبب یہ ہے کہ ہم اپنے دل کو اتنا تنگ و تاریک رکھتے ہیں کہ اس میں ہمیں دنیا تو دکھائی دیتی ہے۔ اس کے آگے جو ہے، نظر نہیں آتا۔ وہ اس سے چھوٹ جاتا ہے، باہر رہ جاتا ہے۔ دیار غیر معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنا دیار ہے۔ اس دنیا سے کہیں زیادہ اپنا ہے۔ اس دنیا میں تو ہم بہت تھوڑا ظاہر ہو پاتے ہیں۔ کامل اظہار تو وہاں ہی ممکن ہے۔ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لینے کی غلطی سے سب سے بڑا نقصان یہ نہیں ہوتا کہ آدمی عام معنی میں دنیا پرست ہو جاتا ہے بلکہ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ آدمی کا فکر اور اس کا نظریہ غلط ہو جاتا ہے۔

مومن ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ آدمی کو معلوم ہو جائے کہ وہ اس دنیا میں غیب کی مخلوق ہے۔ بظاہر وہ دنیا میں دکھائی دے لیکن دنیا میں رہتے ہوئے بھی وہ حقیقت میں عالم غیب میں رہنے لگے۔ نماز اسی بڑی حقیقت کو ظاہر کرتی ہے۔ نماز وہ خوشبو ہے جو اس عالم کی نہیں ہے۔ یہ ایسی روشنی ہے جس کا تعلق کسی دوسرے عالم سے ہے۔ جس کو ہم عالم غیب سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا کوئی اور نام بھی تجویز کیا جا سکتا ہے۔ نماز کے ذریعہ سے ہم دنیا میں اس عالم کو اتار لاتے ہیں۔ یہ اتارنے کا عمل بار بار دہرانے کا منشاء صرف یہی نہیں ہے کہ اس عالم میں رہنے کی مشق ہو بلکہ دنیا میں رہتے ہوئے اس عالم میں رہنا ہمیں آجائے۔ امید ہے ان باتوں پر غور فرمائیں گے۔ آپ جیسے ذہین آدمی اگر اس طرف توجہ نہ دیں تو ذوق صحیح اپنا ٹھکانہ کہاں ڈھونڈے گا۔ (دہلی۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۷۶ء)

الرسالہ کے شائقین سے گزارش ہے
کہ وہ پرچہ بذریعہ وی پی طلب نہ فرمائیں، بلکہ
اپنا زرتعاون منی آرڈر کے ذریعہ بھیج دیں۔ یہ
طرفین کے لئے سہولت کا باعث ہے۔

جو لوگ سالانہ یا ششماہی زرتعاون بیک وقت
ادا نہ کر سکیں، وہ ہر مہینے دو روپے کا ٹکٹ
لفافہ میں رکھ کر بھیج دیں۔ پرچہ انھیں روانہ
کر دیا جائے گا۔

خریدار حضرات براہ کرم اپنے خطوط میں
خریداری نمبر کا حوالہ ضرور تحریر فرمائیں۔

خط وکتابت کے وقت یا زرتعاون بھیجتے ہوئے
اپنا پتہ صاف اور حتی الامکان انگریزی میں
تحریر فرمائیں

پتہ پر کسی شخص کا نام نہ لکھیں۔ بلکہ ایڈیٹر
الرسالہ یا منیجر الرسالہ تحریر فرمائیں

منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ ضرور
تحریر فرمائیں

الرسالہ نہ صرف ملک کے مختلف حصوں میں
پڑھا جاتا ہے بلکہ ملک کے باہر بھی عرب دنیا اور
دوسرے علاقوں میں جاتا ہے۔ تاجر حضرات
الرسالہ میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔

● امت مسلمہ کی رہنمائی حضرت عمرؓ کی تعلیمات میں

از مولانا محمد تقی امینی

صفحات ۱۰۴، قیمت دو روپے

پتہ: ادارۂ احتساب، امینی منزل، دودھ پور روڈ، علی گڑھ

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس کتاب میں خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق کی تعلیمات کی روشنی میں امت مسلمہ کو رہنمائی دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اصحاب رسولؐ کی زندگیاں، اگر کسی تعبیری اضافہ کے بغیر، امت کے سامنے لائی جائیں تو اس میں شک نہیں کہ اصلاح افکار اور تعمیر حیات کے لئے اس سے بڑا خزانہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

حضرت عمرؓ سے ایک شخص نے مصر کے حاکم اعلیٰ (گورنر) عیاض بن غنم کی ان الفاظ میں شکایت کی:

"اے عمرؓ کیا حاکموں سے صرف حلف لے لینے سے آپ کو اللہ کی بازپرس سے نجات مل جائے گی کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عیاض بن غنمؓ باریک کپڑا پہنتے ہیں اور دروازے پر دربان رکھا ہے۔"

یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ (سفیر) کو حکم دیا کہ "عیاض بن غنم" جس حالت میں ہوں مہلت دیئے بغیر میرے پاس حاضر کرو، محمد بن مسلمہ جب مصر پہنچے تو واقعی عیاض بن غنمؓ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ حسب الحکم مہلت دیئے بغیر اسی حالت میں لے آئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھنے کے بعد فرمایا:

انزع قميصك ودعا بمدرعة صوف وبربضة من غنم وعصا فقال البس هذه المدرعة وخذ هذه العصا وارع هذه الغنم واسق من مربك

اپنی قمیص اتار دو اور پھر کملی کا جبہ اور بکریوں کا گلہ منگوا کر حکم دیا کہ کملی کا جبہ پہن لو، اور بکریوں کا گلہ اور عصا لے کر جنگل کی طرف جاؤ وہاں جاکر بکریاں چراؤ اور راستہ سے جو گزرے اس کو پانی پلاؤ۔

اسی طرح حضرت سعدؓ بن وقاص کے خلاف لوگوں نے شکایت کی کہ "وہ گھر کے اندر عدالت کرتے ہیں باہر نہیں کرتے، یہ سن کر حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو بلاکر کہا:

اذهب الى سعد بالكوفة وحرق عليه قصره ولا تحدثن حدثا حتى تاتيني

سعدؓ کے پاس کوفہ جاؤ اور ان کے محل کو جلا دو، وہاں اور کوئی نئی بات نہ کرنا یہاں تک کہ میرے پاس آجاؤ۔

محمد بن مسلمہؓ حکم کی تعمیل میں کوفہ گئے، جہاں ایک بنطی سے لکڑی کا گٹھا خریدا اور محل کو آگ لگادی، سعدؓ نے نکل کر پوچھا

ما هذا — یہ کیا حرکت ہے؟

ابن مسلمہ نے جواب دیا

عزمة امير المومنين — امیر المومنین رضؓ کا حکم ہے،

یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے اور محل جل گیا، سعدؓ نے ابن مسلمہؓ کو واپسی کے وقت سفر خرچ دینا چاہا، لیکن انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ واپس آنے کے بعد حضرت عمرؓ نے سفر خرچ کے بارے میں پوچھا،

هلا قبلت نفقته — تم نے خرچ کیوں نہیں قبول کیا

جواب دیا۔

انك قلت لا تحدثن حدثا حتى تاتيني

آپ نے کہا تھا کہ کوئی نئی بات نہ کرنا یہاں تک کہ میرے پاس آجاؤ

کتاب میں اس قسم کے اقوال اور واقعات کثرت سے درج ہیں جن کو آنسوؤں سے تر ہوئے بغیر آدمی ختم نہیں کر سکتا۔

Single Copy Rs. 2.00

Regd. No. D (D) 532
REGD. R. N. No. 28822/76
MAY - 1977

AL-RISALA MONTHLY

1036 KISHANGANJ, DELHI-110006 (INDIA)

محمد احمد پرنٹر پبلشر مسئول نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹرز دہلی سے چھپواکر "دفتر الرسالہ" ۱۰۳۶ کشن گنج دہلی سے شائع کیا